قرآن کریم اور سنت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۷۸ شمارہ: ۱۱

ذو القعدۃ: ۱۴۳۶ھ - ستمبر: ۲۰۱۵ء

قیمت فی شمارہ: ۳۰ روپے، زرِ سالانہ: ۳۵۰ روپے

مدیر / مدیر مسئول

مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر

نائب مدیر

مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

مدیر معاون

مولانا محمد اعجاز مصطفی

ناظم

مولانا فضل حق یوسفی

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ ''بینات'' جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن

کراچی 74800، پوسٹ بکس نمبر 3465

فون دفتر ''بینات'': 021-34927233

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 7-397-101900 برانچ کوڈ: 0816

مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی 74800

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

ریاست ہائے متحدہ امریکہ، جنوبی افریقہ، تھائی لینڈ، ناروے، ویسٹ انڈیز وغیرہ: 35 امریکی ڈالر

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، مسقط، بحرین، عمان، ایران، انڈیا وغیرہ: 27 امریکی ڈالر

بنگلہ دیش: 25 امریکی ڈالر

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 **Ext.** 146 - 147

فیکس: +92-21-34919531

Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر **مطبع:** ایجوکیشنل پریس **طابع:** فیروز زکی

www.banuri.edu.pk

فہرست مضامین

بصائر و عبر

جناب جاوید غامدی.....مرزا قادیانی کا وکیل صفائی	۳	محمد اعجاز مصطفیٰ

مقالات و مضامین

حج بیت اللہ	۱۱	محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ
قربانی کے احکام ومسائل	۱۷	مفتی اعظم پاکستان مفتی ولی حسن ٹونکیؒ
چند باتیں محدث العصر رحمۃ اللہ علیہ کی	۲۵	حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اخترؒ
دارالعلوم دیوبند (انڈیا) کا نیازمندانہ سفر (قسط:۴)	۲۹	مولانا عبدالرؤف غزنوی
جاوید احمد غامدی، سیاق وسباق کے آئینہ میں (قسط:۱۰)	۳۵	مولانا فضل محمد یوسف زئی
شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا احسانی وعرفانی مقام (قسط:۱)	۴۱	جناب محمد ظفر اقبال
خوفِ خدا اور فکرِ آخرت	۵۰	جناب ارمغان ارمان
مصافحہ ایک ہاتھ سے یا دو ہاتھ سے؟!	۵۵	مولانا محمد نعمان

دار الافتاء

کالا خضاب لگانے کا حکم!	۶۲	ادارہ

نقد و نظر

	۶۳	ادارہ

www.banuri.edu.pk

جناب جاوید غامدی.....مرزا قادیانی کا وکیل صفائی

مدعی سست گواہ چست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ وسلامٌ علٰی عبادہٖ الذین اصطفٰی

ہماری نوجوان نسل جن کو ایک خاص منصوبے اور سازش کے تحت دینی اداروں اور دینی مراکز سے دور رکھا گیا، عام طور پر اپنے دین و مذہب اور مسلک و مشرب سے خالی الذہن اور لاعلم ہوتی ہے، مگر چونکہ فطرتاً مذہب پسند ہوتی ہے، اس لیے جو شخص بھی دین کے نام پر جو آواز لگاتا ہے یہ نوجوان نسل دیوانہ وار اس کے پیچھے دوڑ پڑتی ہے اور اپنے جذبۂ اخلاص کی بنا پر ایسی آواز لگانے والے ہر شخص کو مخلص اور اپنا نجات دہندہ تصور کرتی ہے، لیکن پتہ تب چلتا ہے جب وہ اپنی متاعِ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی، ایران کا بہاء اللہ، فرقہ مہدویہ کا بانی محمد جون پوری، کوٹری کا گوہر شاہی، لاہور کا یوسف کذاب، پنڈی کا زید زمان عرف زید حامد اور آج ملائیشیا میں بیٹھ کر مسلمانوں کے ایمان کو متزلزل کرنے والا جاوید احمد غامدی، یہ سب وہ کردار ہیں جنہوں نے اپنے اپنے وقت میں سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان کو لوٹا اور عقیدت کا ایسا نشہ ان کو پلایا کہ آج تک کئی لوگ ان کے گرویدہ اور اپنی متاعِ ایمان ان کے ہاتھوں گنوا چکے ہیں۔

آج سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ ہم چرب زبان اور طلاقت لسانی سے متصف ہر عیار اور مکار شخص کو دین و مذہب کا ترجمان اور اس کے پریشان افکار و خیالات کو دین و مذہب کی صحیح تعبیر اور تشریح سمجھ بیٹھتے ہیں۔

www.banuri.edu.pk

جناب جاوید احمد غامدی پاکپتن سے اٹھا، لاہور آیا، جماعت اسلامی میں شمولیت اختیار کی، وہاں کا نظم اور ڈسپلن راس نہ آیا تو امین احسن اصلاحی کو اپنا پیشوا بنایا اور اب قرآن، سنت، اجماع، نماز، زکوٰۃ، رجم، جہاد، رفع ونزول عیسیٰ علیہ السلام، حضرت مہدی علیہ الرضوان، حتیٰ کہ تمام ضروریاتِ دین میں ان کی ایک الگ سوچ اور الگ فکر ہے۔

اور برملا کہا جاتا ہے کہ قرآن وسنت اور اہل سنت والجماعت کے مسلمات کی سوا چودہ سو سال سے آج تک جو تعبیر وتشریح کی جارہی تھی وہ صحیح نہیں، میں جو کچھ کہہ رہا ہوں یا جو میری تعبیر ہے وہ درست ہے، العیاذ باللہ۔

باقی باتوں کے علاوہ اب ایک نئی اپچ جو انہوں نے اختراع کی ہے وہ یہ کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے کوئی نبوت کا اعلان نہیں کیا تھا، انہوں نے تو وہی بات کی ہے جو ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے متصوفین نے کی ہے اور بین السطور گویا وہ یہ کہنا اور تأثر دینا چاہتے ہیں کہ چونکہ صوفیاء اور مرزا غلط تعبیر میں برابر کے شریک ہیں، اس لیے یا تو دونوں ہی کو کافر قرار دو یا دونوں ہی کافر نہیں ہیں۔ امت مسلمہ چونکہ صوفیاء کو کافر قرار نہیں دیتی، اس لیے مرزا غلام احمد قادیانی بھی کافر نہیں، نعوذ باللّٰہ من ذٰلک۔

جناب جاوید احمد غامدی کے اصل الفاظ یہ ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

''خود مرزا غلام احمد قادیانی کی جو تحریریں ہیں، ان میں بصراحت نبوت کے دعوے کی کوئی دلیل نہیں۔ ختم نبوت کا بھی انہوں نے کہا کہ میں اس کا قائل ہوں، لیکن میرا مطلب یہ ہے، میری.....مراد یہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں یہ تحریر جتنی واضح ہے ان کے مقابلے میں وہ اتنی واضح نہیں ہیں، ان کے بعد مرزا بشیر الدین محمود نے معاملہ زیادہ صریح کیا کہ نہیں باقاعدہ (نبی) ہیں، ورنہ معاملہ حل ہو جاتا، اتنا...ہی رہتا جتنا صوفیاء کا تھا۔''

راقم الحروف تفصیل میں جائے بغیر مرزا غلام احمد قادیانی کی اپنی چند تحریرات یہاں نقل کرتا ہے، جن سے قارئین بآسانی یہ فیصلہ فرما سکتے ہیں کہ ان عبارات میں مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت اور رسالت کا دعویٰ کیا ہے یا نہیں؟

۱:....''ہماری جماعت میں سے بعض صاحب جو ہمارے دعویٰ اور دلائل سے کم واقفیت رکھتے ہیں، جن کو نہ بغور کتابیں دیکھنے کا اتفاق ہوا اور نہ وہ ایک معقول مدت تک صحبت میں رہ کر اپنے معلومات کی تکمیل کر سکے، وہ بعض حالات میں مخالفین کے کسی اعتراض پر ایسا جواب دیتے ہیں کہ جو سراسر واقعہ کے خلاف ہوتا ہے، اس لیے باوجود اہل حق ہونے کے ان کو ندامت اٹھانی پڑتی ہے، چنانچہ چند روز ہوئے ہیں کہ ایک صاحب پر ایک مخالف کی طرف سے یہ اعتراض پیش ہوا کہ جس سے تم نے بیعت کی ہے، وہ نبی اور رسول ہونے کا

www.banuri.edu.pk

دعویٰ کرتا ہے اور اس کا جواب محض انکار کے الفاظ سے دیا گیا، حالانکہ ایسا جواب صحیح نہیں ہے۔حق یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے، اس میں ایسے الفاظ، رسول اور مرسل اور نبی کے موجود ہیں، نہ ایک دفعہ بلکہ صدہا دفعہ۔ پھر کیونکر یہ جواب صحیح ہوسکتا ہے کہ ایسے الفاظ موجود نہیں ہیں، بلکہ اس وقت تو پہلے زمانے کی نسبت بھی بہت تصریح اور توضیح سے یہ الفاظ موجود ہیں۔'' (ایک غلطی کا ازالہ، ص:۳، روحانی خزائن، ج:۱۸، ص:۲۰۶، از مرزا قادیانی)

جناب جاوید غامدی صاحب بتایئے! آپ تو فرماتے ہیں کہ انہوں نے کبھی دعویٰ نبوت نہیں کیا، لیکن موصوف لکھ رہے ہیں کہ: ایسا جواب صحیح نہیں، حق یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوتی ہے، اس میں ایسے الفاظ: رسول اور مرسل اور نبی کے موجود ہیں، نہ ایک دفعہ بلکہ صدہا دفعہ، پھر کیونکر یہ جواب صحیح ہوسکتا ہے؟ ۔۲:...... رسول اور مرسل قواعد کی اصطلاح میں صاحب شریعت نبی کو ہی کہا جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ: مرزا غلام قادیانی نے علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح نبوت کی تقسیم کی ہے: تشریعی نبوت اور عام نبوت اور عام نبوت کو انہوں نے جاری مانا ہے، جس کی بنا پر آپ صرف ان کے نہیں بلکہ پورے تصوف کے مخالف ہوگئے اور آپ نے کہا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی صوفیوں کی طرح عام نبوت کے اپنے لیے جاری رہنے کا اعلان کیا ہے، حالانکہ درج بالا مرزا کی عبارت صراحتاً اعلان کررہی ہے کہ مرزا کا دعویٰ صاحب شریعت نبی ہونے کا ہے۔

۲:....''میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے، جو میرے پر نازل ہوا.....اور یہ دعویٰ امت محمدیہ میں سے آج تک کسی اور نے ہرگز نہیں کیا کہ خدا تعالیٰ نے میرا یہ نام رکھا ہے اور خدا تعالیٰ کی وحی سے صرف میں اس نام کا مستحق ہوں۔''

(حقیقۃ الوحی، ص:۳۷۸، روحانی خزائن، ج:۲۲، ص:۵۰۳، از مرزا قادیانی)

۳:....''غرض اس حصہ کثیر وحی الٰہی اور امور غیبیہ میں اس امت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں گزر چکے ہیں، ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا، پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں، کیونکہ کثرت وحی اور کثرت امور غیبیہ اس میں شرط ہے اور وہ شرط ان میں پائی نہیں جاتی۔''

(حقیقۃ الوحی، ص:۳۹۱، روحانی خزائن، ج:۲۲، ص:۴۰۶-۴۰۷، از مرزا قادیانی)

۴:....''میں خدا تعالیٰ کی تیئیس برس کی متواتر وحی کو کیونکر رد کرسکتا ہوں۔ میں اس کی اس پاک وحی پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں جیسا کہ ان تمام خدا کی وحیوں پر ایمان لاتا ہوں جو مجھ سے پہلے ہوچکی ہیں۔'' (حقیقۃ الوحی، ص:۱۵۰، روحانی خزائن، ج:۲۲، ص:۱۵۴، از مرزا قادیانی)

www.banuri.edu.pk

۵:....''اب ظاہر ہے کہ ان الہامات میں میری نسبت بار بار بیان کیا گیا ہے کہ یہ خدا کا فرستادہ، خدا کا مامور، خدا کا امین اور خدا کی طرف سے آیا ہے، جو کچھ کہتا ہے اس پر ایمان لاؤ اور اس کا دشمن جہنمی ہے۔'' (انجام آتھم، ص:۶۲، روحانی خزائن، ج:۱۱،ص:۶۲، از مرزا قادیانی)

۶:....''ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم نبی اور رسول ہیں۔'' (ملفوظات، ج:۵،ص:۴۴۷،طبع جدید، از مرزا قادیانی)

۷:....''خدا وہ خدا ہے جس نے اپنے رسول یعنی اس عاجز کو ہدایت اور دین حق اور تہذیب اخلاق کے ساتھ بھیجا۔'' (اربعین نمبر:۳،ص:۳۶ مندرجہ روحانی خزائن، ج:۱۷،ص:۴۲۶، از مرزا قادیانی)

۸:....''سچا خدا وہی خدا ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔''

(دافع البلاء،ص:۱۱ مندرجہ روحانی خزائن، ج:۱۸،ص:۲۳۱، از مرزا قادیانی)

۹:....''جس طرح فرعون کے پاس رسول بھیجا گیا تھا وہی الفاظ ہم کو بھی الہام ہوئے ہیں کہ تو بھی ایک رسول ہے، جیسا کہ فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا گیا تھا۔''

(ملفوظات، ج:۵،ص:۱۷،طبع جدید، از مرزا قادیانی)

۱۰:....''تیسری بات جو اس وحی سے ثابت ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ بہرحال جب تک کہ طاعون دنیا میں رہے گو ستر برس تک رہے، قادیان کو اس کی خوفناک تباہی سے محفوظ رکھے گا، کیونکہ یہ اس کے رسول کا تخت گاہ ہے اور یہ تمام امتوں کے لیے نشان ہے۔''

(دافع البلاء،ص:۱۴، روحانی خزائن، ج:۱۸،ص:۲۳۰، از مرزا قادیانی)

۱۱:....''اور میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اسی نے مجھے بھیجا ہے اور اسی نے میرا نام نبی رکھا ہے اور اسی نے مجھے مسیح موعود کے نام سے پکارا ہے اور اس نے میری تصدیق کے لیے بڑے بڑے نشان ظاہر کیے ہیں جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں۔'' (حقیقۃ الوحی،ص:۳۸۷، روحانی خزائن، ج:۲۲،ص:۵۰۳، از مرزا قادیانی)

۱۲:....''إنا أرسلنا إلیکم رسولًا شاهدًا علیکم کما أرسلنا إلٰی فرعون رسولا''
.....''ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا ہے، اسی رسول کی مانند جو فرعون کی طرف بھیجا گیا تھا۔'' (حقیقۃ الوحی،ص:۱۰۲، روحانی خزائن، ج:۲۲،ص:۱۰۵، از مرزا قادیانی)

۱۳:....''یٰسٓ، إنک لمن المرسلین''....''اے سردار! تو خدا کا مرسل ہے۔''

(حقیقۃ الوحی،ص:۱۰۷ مندرجہ روحانی خزائن، ج:۲۲،ص:۱۱۰، از مرزا قادیانی)

۱۴:....''مجھے بتلایا گیا تھا کہ تیری خبر قرآن اور حدیث میں موجود ہے اور تو ہی اس آیت کا مصداق ہے کہ ''ھو الذی أرسل رسولہ بالھدٰی ودین الحق لیظھرہٗ علٰی الدین

کلہ۔'' (اعجاز احمدی، ص:۷ مندرجہ روحانی خزائن، ج:۱۹، ص:۱۱۳ از مرزا قادیانی)

۱۵:.... ''پھر اسی کتاب میں اس مکالمہ کے قریب ہی یہ وحی اللہ ہے: ''**محمد رسول اللّٰہ والذین معہٗ أشداء علی الکفار رحماء بینھم**'' اس وحی الٰہی میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی۔'' (ایک غلطی کا ازالہ، ص:۴ مندرجہ روحانی خزائن، ج:۱۸، ص:۲۰۷، از مرزا قادیانی)

۱۶:.... ''میں رسول بھی ہوں اور نبی بھی ہوں، یعنی بھیجا گیا بھی اور خدا سے غیب کی خبریں پانے والا بھی۔'' (ایک غلطی کا ازالہ، ص:۷ مندرجہ روحانی خزائن، ج:۱۸، ص:۲۱۱، از مرزا قادیانی)

ہم نے یہ چند حوالہ جات صرف اور صرف مرزا غلام احمد قادیانی کی اپنی تحریرات کے دیئے ہیں جن میں مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے نبی اور رسول ہونے کے دعاوی کیے ہیں، باقی جو کچھ ان کے بیٹوں مرزا بشیر الدین محمود اور مرزا بشیر احمد ایم اے نے اپنے باپ کے بارہ میں لکھا ہے، ہم نے وہ سب تحریرات یہاں نقل نہیں کیں، اس لیے کہ جناب جاوید احمد غامدی صاحب کہتے ہیں کہ مرزا کی نبوت کے بارہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب ان کے بیٹوں کا کیا دھرا ہے۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی اپنی اولاد، ان کی تمام ذریت اور پوری قادیانیت اسے نبی، رسول، نجات دہندہ اور مسیح موعود تسلیم کرتی ہے، حتیٰ کہ انہوں نے لکھا ہے کہ:

''حضرت مسیح موعود نے تو فرمایا ہے کہ ان کا اسلام اور ہے اور ہمارا اور، ان کا خدا اور ہے اور ہمارا خدا اور ہے، ہمارا حج اور ہے اور ان کا حج اور، اسی طرح ان سے ہر بات میں اختلاف ہے۔'' (روزنامہ الفضل، قادیان، ۲۱ر اگست، ۱۹۱۷ء، جلد نمبر:۵، ص:۸)

لیکن جناب جاوید احمد غامدی صاحب یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں، بلکہ وکیل صفائی کا کردار ادا کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: جیسے قادیانیوں سے الگ ہونے والا لاہوری گروپ مرزا کو ایک مجدد مانتا ہے، مرزا غلام احمد قادیانی نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا، یہ بھی جناب موصوف کی قادیانیوں کی طرح ایک تلبیس ہے۔ حالانکہ خلافت نہ ملنے کی وجہ سے قادیانیوں سے علیحدہ ہونے والا چوہدری محمد علی مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی، رسول اور اپنا نجات دہندہ سمجھتا تھا، لیکن بعد میں اس جماعت نے ضد کی بنا پر قادیانیوں سے الگ عقیدہ گھڑ لیا۔ امت مسلمہ کے نزدیک قادیانی گروپ ہو یا لاہوری گروپ، دونوں مرتد، زندیق اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

جناب محمد متین خالد صاحب اپنی مایہ ناز تصنیف ''ثبوت حاضر ہیں'' میں جناب پروفیسر محمد الیاس برنی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''۱۹۰۸ء میں مرزا قادیانی جہنم واصل ہوا، اس کے بعد حکیم نور الدین خلیفہ بنا۔ ۱۹۱۴ء میں

اس کے مرنے کے بعد قادیانی جماعت میں جھگڑا پیدا ہوگیا۔ مرزا قادیانی کا دیرینہ دوست مولوی محمد علی لاہوری چاہتا تھا کہ وہ قادیانی خلافت کا زیادہ حقدار ہے، لیکن مرزا قادیانی کے خاندان والے چاہتے تھے کہ ''خلافت'' خاندان سے باہر نہ جائے، چنانچہ مرزا قادیانی کا بیٹا مرزا محمود اس قادیانی گدھی پر سوار ہوگیا۔ اس کے بعد محمد علی لاہوری اپنے ساتھیوں سمیت قادیان چھوڑ کر لاہور آ گیا اور یہاں اپریل ۱۹۱۴ء میں ''احمدیہ انجمن اشاعت اسلام'' کے نام سے نئی تنظیم بنا کر کام شروع کر دیا۔ لاہوری جماعت کا عقیدہ ہے کہ ہم مرزا قادیانی کو دوسرے مجددوں کی طرح ایک مجدد مانتے ہیں۔ حالانکہ محمد علی لاہوری مرزا قادیانی کے دعویٰ نبوت ورسالت کو نہ صرف مانتا تھا، بلکہ پورے زور وشور کے ساتھ اس کی تبلیغ وتشہیر بھی کرتا تھا، اس نے پورے زورِ قلم کے ساتھ اپنے پرچہ میں تحریر کیا:

۱:..... ''جھوٹے مدعی نبوت کو نصرت نہیں دی جاتی، بلکہ اسے ہلاک کر کے نیست ونابود کر دیا جاتا ہے..... اس طرح مرزا صاحب کے ساتھ نہیں کیا۔ پس جس شخص کے ساتھ خدا تعالیٰ اپنی کتاب کے مقرر کردہ قوانین کی رو سے جھوٹوں والا سلوک نہیں کرتا، بلکہ صادقوں اور سچے رسولوں والا سلوک کرتا ہے، اس کی صداقت پر شبہ کرنا خدا تعالیٰ سے جنگ کرنا اور اس کے کلام کی خلاف ورزی کرنا ہے، اس سے بڑھ کر اور کوئی ثبوت کسی کی صداقت کا نہیں ہوسکتا اور اگر یہ ثبوت کافی نہیں تو پھر کسی نبی کی نبوت ثابت نہیں ہوسکے گی۔'' (ریویو آف ریلیجنز، ج:۷، ص:۲۹۴)

۲:..... ''معلوم ہوا کہ بعض احباب کو غلط فہمی میں ڈالا گیا ہے کہ اخبار ہٰذا کے ساتھ تعلق رکھنے والے اصحاب یا ان میں سے کوئی ایک سیدنا وہادینا حضور حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود کے مدارج عالیہ کو اصلیت سے کم استخفاف کی نظر سے دیکھتا ہے۔ ہم تمام احمدی جن کا کسی نہ کسی صورت میں اخبار پیغام صلح سے تعلق ہے، خدا تعالیٰ کو حاضر وناظر جان کر علی الاعلان کہتے ہیں کہ ہماری نسبت اس قسم کی غلط فہمی محض بہتان ہے۔ ہم حضرت مسیح موعود کو اس زمانہ کا نبی، رسول اور نجات دہندہ مانتے ہیں اور جو درجہ حضرت مسیح موعود نے اپنا بیان فرمایا ہے اس سے کم وبیش کرنا موجب سلب ایمان سمجھتے ہیں۔'' (اخبار پیغام صلح، ج:۱، ص:۴۲، ۱۶/اکتوبر ۱۹۱۳ء)

۳:..... ''ہم خدا کو شاہد کر کے اعلان کرتے ہیں کہ ہمارا ایمان یہ ہے کہ مسیح موعود یعنی (مرزا قادیانی) اللہ تعالیٰ کے سچے رسول تھے اور اس زمانہ کی ہدایت کے لیے دنیا میں نازل ہوئے۔ آج آپ کی متابعت میں ہی دنیا کی نجات ہے۔'' (اخبار پیغام صلح، ج:۱، ص:۳۵، ۷/ستمبر ۱۹۱۳ء)

بقول پروفیسر محمد الیاس برنیؒ: ''قادیانیوں کی ان دونوں جماعتوں میں درحقیقت کوئی فرق نہیں، بلکہ یہ اختلاف اور نزاع صرف اقتدار کا ہے، اگر مولوی محمد علی کو مرزا محمود کی جگہ

خلافت مل جاتی تو وہ بھی وہی کہتا جو عام قادیانی کہتے ہیں.....ان دونوں فرقوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ ایک کا رنگ گہرا اعنابی اور دوسرے کا ہلکا گلابی ہے۔ ان دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کو کافر نہیں کہتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان میں اختلاف حقیقی نہیں، بلکہ بناوٹی ہے۔'' (قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ، از پروفیسر محمد الیاس برنیؒ)

راقم الحروف جناب جاوید احمد غامدی سے سوال کرتا ہے کہ کیا کسی اہل تصوف نے ایسے دعوے کیے ہیں؟ جو آپ کے ممدوح مرزا غلام احمد قادیانی نے کیے ہیں؟ یا کسی صوفی اور ولی نے اپنے نہ ماننے والوں کو کافر اور جہنمی کہا ہے؟ کیا کسی ولی نے انبیاء علیہم السلام کی توہین کی ہے؟ کیا کسی ولی نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالیاں دی ہیں؟ کیا کسی ولی نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی گستاخیاں کی ہیں؟ کیا کسی ولی نے اپنے نہ ماننے والوں کو جنگل کے سؤر اور ان کی عورتوں کو کتیا کہا ہے؟ مرزا کے وکیل صفائی پر ایک ایک سوال کا جواب دینا ضروری ہے۔

آپ سے کوئی یہ سوال بھی کرسکتا ہے کہ جو شخص انگریز کو خوش کرنے کے لیے جہاد کی منسوخی کے لیے اتنا لٹریچر لکھے کہ اس سے پچاس الماریاں بھر جائیں، اور سینکڑوں نہیں، بلکہ ہزاروں بار اپنے عقیدت مندوں میں جہاد کی منسوخی کا حکم اور اعلان کرے، کیا کسی صوفی اور بزرگ نے کبھی یہ کام کیا ہے؟ یا کس صوفی اور ولی نے عیسائیوں کو خوش کرنے کے لیے جہاد کی منسوخی کا اعلان کیا تھا؟ جناب جاوید احمد غامدی صاحب بقول آپ کے صوفیاء کے دعاوی مرزے جیسے ہیں تو تاریخ سے بتلایا جائے کہ کس صوفی نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنے نہ ماننے والوں کو کافر اور جہنمی کہا ہے؟

....

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ظلی، بروزی، تشریعی، غیر تشریعی نبی پیدا نہیں ہوگا، اس کو عقیدۂ ختم نبوت کہا جاتا ہے۔ یہ عقیدہ قرآن کریم کی سو آیات، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو سو دس سے زائد احادیث سے مؤکد اور اجماعِ امت سے ثابت ہے، جس کا منکر دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا:

''إنہ سیکون فی أمتی کذابون ثلاثون کلھم یزعم أنہٗ نبی، و أنا خاتم النبیین لانبی بعدی۔'' (ابوداود، ج:۲،ص:۲۲۸)

''عنقریب میری امت میں تیس جھوٹے (ظاہر) ہوں گے، ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے، حالانکہ میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔''

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں اسود عنسی بدبخت نے نبوت کا اعلان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

فرمان کے مطابق واصل جہنم ہوا۔ مسیلمہ کذاب نے آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں دعویٰ نبوت کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی امارت میں اس کے خلاف جہاد کرکے اسے اور اس کے ماننے والوں کو واصل جہنم کیا۔

برصغیر میں انگریز تجارت کے بہانے گھسا، مسلم بادشاہوں کی عیاشیوں اور غفلتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انگریز عیار نے ان سے ملک چھین لیا، مخلص مسلم عوام نے اس کے خلاف علم جہاد بلند کیا، جس کی پاداش میں ہزاروں نہیں، بلکہ لاکھوں مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، لیکن مسلم عوام کا جذبۂ جہاد سرد نہ ہوا تو انگریز نے ایک اور چال چلی کہ انہیں میں سے کوئی مصلح، مبلغ اسلام، مجدد، مہدی، مثیل مسیح، مسیح موعود، حتیٰ کہ نبی اور رسول کے درجہ پر اسے پہنچا کر اس سے جہاد کی منسوخی کا اعلان کرایا جائے۔ اس کے لیے مرزا غلام احمد قادیانی سے بہتر ان کو کوئی آدمی نہ مل سکتا تھا، کیونکہ یہ خاندان انگریز کا پرانا وفادار تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مرزا غلام احمد کے باپ مرزا غلام مرتضیٰ نے پچاس گھوڑے انگریز کو عطیہ کیے تھے۔ انگریز کے دربار میں اس کے باپ کے لیے اسپیشل نشست مقرر تھی، اس لیے انہوں نے مرزا پر ہاتھ رکھا اور یہ سارے دعوے اس سے کرائے۔ آج پوری امت مسلمہ مرزا غلام احمد قادیانی کے ماننے والے چاہے قادیانی گروپ ہو یا لاہوری گروپ سب کو مرتد، زندیق اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتی ہے۔ یہی فیصلہ پوری دنیا کی ۱۴۴ تنظیموں نے رابطہ عالم اسلامی کے پلیٹ فارم سے کیا۔ یہی فیصلہ پاکستان کی قومی اسمبلی نے ۱۹۷۴ء میں متفقہ طور پر کیا اور یہی فیصلہ ہر اس عدالت نے کیا جہاں جہاں قادیانی اپنی درخواستیں لے کر گئے۔ ان عدالتوں میں فیصلہ کرنے والے جج ہندو بھی تھے اور یہودی بھی، ہر ایک نے چاہے اندرون ملک کی عدالتیں ہوں یا بیرون ملک کی، سب نے یہی فیصلہ کیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے ماننے والوں کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن ایک جناب جاوید غامدی صاحب ہیں جو اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ ہم ان کے چاہنے والوں سے یہی سوال کرتے ہیں کہ فیصلہ آپ کریں، ایک جاوید احمد غامدی غلط راہ پر ہے یا پوری مسلم برادری؟ جاوید احمد غامدی کی سوچ اور فکر غلط ہے یا پوری پاکستانی قومی اسمبلی اور چھوٹی عدالت سے عدالت عظمیٰ تک؟ فیصلہ آپ کے اختیار میں ہے۔ قبر اور حشر میں ہر ایک نے اپنا جواب دینا ہے، کوئی کسی کا ساتھ نہیں دے گا۔ اور دنیا میں سب سے قیمتی چیز متاعِ ایمان ہے، اگر آج کسی کی عقیدت کے نشہ میں یہ متاع لٹ گئی تو بتائیے! خسارے کے علاوہ کیا ملے گا؟ ''خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃَ ذٰلِکَ ھُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ۔''

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ سیدنا محمد وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ أجمعین

☆☆☆

حج بیت اللہ

محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

اللہ تعالیٰ شانہٗ نے یوں تو ہر عبادت کے لیے قدم قدم پر رحمت وعنایت اور اجر وثواب کے وعدے فرمائے ہیں۔ نماز وزکاۃ اور روزہ واعتکاف وغیرہ سب پر جنت اور جنت کی بیش بہا نعمتوں کے وعدے ہیں، لیکن تمام عبادات میں ''حج بیت اللہ'' کی شان سب سے نرالی ہے۔ حج گویا دبستانِ عبدیت کا آخری نصاب ہے جس کی تکمیل پر بارگاہِ عالی سے رضا وخوشنودی کی آخری سند عطا کی جاتی ہے: کتنے عجیب انداز سے فرمایا گیا ہے:

''**والحج المبرور لیس لهٗ جزاء إلا الجنة۔**'' (مشکوۃ، کتاب المناسک، الفصل الاول، ص:۲۲۱، ط: قدیمی)

''اور حج مبرور کا بدلہ تو بس جنت ہی ہے۔''

گویا حج مبرور ایک ایسی عالی شان عبادت ہے کہ بجز جنت کے اس کا اور کیا بدلہ ہوسکتا ہے! حج مبرور جس کا بدلہ صرف جنت ہی ہوسکتی ہے، اس کی تشریح یہ ہے کہ اس میں گناہ کی آلودگی اور ریاکاری کا شائبہ نہ ہو، یعنی تمام سفر حج میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے آدمی بچے اور محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر حج کیا جائے، بلاشبہ اس شرط کا نبھانا بھی بہت مشکل ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کے فضل ہی سے ہی مشکل مرحلہ طے ہوسکتا ہے۔

عشق ومحبت کا سفر

حج کی ظاہری صورت بھی عجیب وغریب ہے اور اس میں غضب کی جاذبیت ہے، قدم قدم پر عشق ومحبت کی پُر بہار منزلیں طے ہوتی ہیں، سب سے بڑے دربار کی حاضری کا قصد ہے، دل میں دیارِ محبوب کی آرزوئیں مچلتی ہیں، سفر طویل ہے، حلال وطیب توشۂ سفر کا اہتمام کیا جارہا ہے، نیک اور صالح رفیق کی تلاش ہورہی ہے، چشم پرنم کے ساتھ عزیز واقارب سے رخصت ہورہے ہیں، لین دین کا حساب باق کیا جارہا ہے، حق حقوق کی معافی طلب کی جارہی ہے، کوشش یہ ہے کہ اس دربار میں حاضر ہوں تو کسی

کا معمولی حق بھی گردن پر نہ ہو، لیجئے! روانگی کا وقت آیا، غسل کر لیجئے اور دو سفید نئی چادریں پہن لیجئے، گویا انسان خود اپنے ارادہ واختیار سے سفرِ آخرت پر روانہ ہو رہا ہے، پہلے غسل سے بدن کے ظاہری میل کچیل کو صاف کرتا ہے اور پھر کفن کی چادریں اوڑھ کر دوگانہ احرام ادا کرتا ہے، اس طرح گویا توبہ وانابت سے دل کے میل کچیل سے اپنے باطن کو پاک صاف کرتا ہے اور ظاہری وباطنی نظافت کے ساتھ شاہی دربار میں نذرانۂ عشق ومحبت پیش کرنے کا عہد کر لیتا ہے۔ ارحم الراحمین نے دعوت دے کر بلایا ہے اور شاہی دربار سے بلاوا آیا ہے، یہ فوراً بیت اللہ الحرام کے شوقِ دیدار میں اس دعوت پر ''**لبیک اللّٰھم لبیک**'' (میں حاضر ہوں، اے میرے اللہ! میں حاضر ہوں) کا نعرہ بلند کرتے ہوئے مستانہ وار سوئے منزل روانہ ہو جاتا ہے۔

یہ اس والہانہ وعاشقانہ عبادت کی ابتدا ہے۔ زیب وزینت کے تمام مظاہر ختم، راحت وآسائش کے تمام تقاضے فراموش، نہ سر پر ٹوپی، نہ پاؤں میں ڈھب کا جوتا، نہ بدن پر ڈھنگ کا کپڑا، دیوانہ وار رواں دواں منازلِ عشق طے کرتا ہوا جا رہا ہے، دیارِ محبوب کی دھن میں بادہ پیمائی ہو رہی ہے۔

در بیابانہا ز شوقِ کعبہ خواہی زد قدم
سرزنشہا گر کند خارِ مغیلاں غم مخور

پہنچتے ہی مرکزِ تجلیات (کعبہ) پر نظر پڑی تو بے ساختہ دارِ محبوب کا طواف کرتا ہے، بار بار چکر لگاتا ہے، حجرِ اسود جو ''یمین اللّٰہ فی الأرض'' کی حیثیت رکھتا ہے اس کو چومتا ہے، آنکھوں سے لگاتا ہے، ملتزم سے چمٹتا ہے، زاروقطار روتا ہے، گویا زبانِ حال سے کہتا ہے:

نازم بچشمِ خود کہ روئے تو دیدہ است
رفتم بپائے خویش کہ بکویت رسیدہ است
ہزار بار بوسہ زنم من دستِ خویش را
کہ بدامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

اس بے خود عاشق زار کو جو قلبِ تپاں اور جگر سوزاں لے کر آیا تھا، پہلی مہمانی کے طور پر آبِ زمزم کا تحفۂ شیریں پیش کیا جاتا ہے، جس سے تسکین قلب بھی ہوگی اور جگر کی پیاس بھی بجھے گی اور حکم ہوتا ہے کہ جتنا پانی پیا جا سکے پی لے، خوب دل ٹھنڈا کر لے، کوئی کسر نہ چھوڑے۔ یہاں سے فارغ ہو کر صفا ومروہ کے درمیان چکر لگاتا ہے، پھر منیٰ پہنچتا ہے، پھر اس کے آگے عرفات کا رخ کرتا ہے۔ آج وادیِ عرفات سچ مچ ہنگامۂ محشر کا منظر پیش کر رہی ہے، حیرت انگیز اجتماع ہے، رنگا رنگ مختلف شکلیں، مختلف زبانیں، بوقلموں مناظر۔ یہ سب رب العالمین کے دربارِ قدس کے مہمان ہیں۔ یہ شاہی دربار میں عبدیت وبندگی، ضعف وبے کسی، عجز ودرماندگی اور ذلت ومسکنت کا نذرانہ پیش کریں گے اور رضا ومغفرت،

فضل واحسان اور انعام واکرام کے گوہرِ مقصود سے جھولیاں بھر کرلے جائیں گے۔ اپنے لیے، اپنے اعزہ واقارب اور دوست احباب کے لیے آج جو کچھ مانگیں گے نقد ملے گا۔ زوال ہوا تو ہر چہار طرف سے آہ وبکا کا شور برپا ہوا، اس کی آواز بھی اس حیرت انگیز طوفانِ گریہ وزاری میں ڈوب گئی، شام تک کا سارا وقت اسی عالم تحیر میں گزارتا ہے، کبھی خوب رورو کر مانگتا ہے، کبھی ''لبیک أللّٰھم لبیک'' کا نعرہ لگاتا ہے، کبھی تکبیر کی گونج سے زمزمہ آراء ہوتا، کبھی تہلیل سے نغمہ سرا ہوتا ہے، کبھی ''لا إلٰـہ إلا اللّٰـہ وحدہٗ لا شـریک لـہٗ'' سے وحدانیت وربوبیت کی صدائیں بلند کرتا ہے، عابد ومعبود کا یہ تعلق کتنا دلربا ہے؟ اور بندگی وسرافگندگی کا یہ منظر کس قدر حیرت افزا ہے؟

آفتاب غروب ہوا اوراس دشت پیمانے بوریا بستر باندھ مزدلفہ کا رخ کیا، شب بیداری وہاں ہوگی، مغرب وعشاء کی نماز وہاں پڑھی جائے گی۔ اظہارِ آدابِ بندگی میں کچھ کسر باقی رہ گئی ہے تو وہاں نکالی جائے گی، کبھی رکوع وسجود ہے، کبھی وقوف وقیام ہے، کبھی تہلیل وتکبیر ہے، کبھی تسبیح وتلبیہ ہے۔ گریہ وزاری، دعا ومناجات اور تضرع وابتہال کا نصاب پورا ہوا تو کامیابی وکامرانی کی نعمت سے سرشار ہوکر وہاں سے منیٰ کو چلا۔ دشمنِ انسانیت، عدوّ مبین، راندۂ بارگاہ، ابلیس لعین کی سرکوبی کے لیے جمرہ کی رمی کی۔ خلیل وذبیح (علٰی نبینا وعلیھما الصلاۃ والسلام) کی سنتِ قربانی کی یاد تازہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے نام پر قربانی دی اور رضائے محبوب کے لیے جان ومال کے ایثار وقربانی کا عہد تازہ کرلیا، وہاں سے بارگاہِ قدس کے مرکز انوار کی زیارت کو چلا اور طوافِ کعبہ کے انوار وبرکات سے دیدہ ودل کی تسکین کا سامان کیا۔

الغرض اس عاشقانہ ووالہانہ عبادت میں دیوانہ وار ایثار وقربانی اور عبدیت وفنائیت کا ریکارڈ قائم کرلیتا ہے اور تجلیاتِ ربانی کے انوروبرکات سے سراپا نور بن جاتا ہے اور رحمت ورضوان کے تحفوں سے مالا مال ہوکر اور استحقاقِ جنت کی آخری سند لے کر اپنے وطن کو واپس لوٹتا ہے۔ اس طرح بندہ بندگی کا ثبوت دے کر جنت ورضوان الٰہی کی نعمتوں سے سرفرازی کے تمغے وصول کرلیتا ہے:۔

''والحج المبرور لیس لہٗ جزاء إلا الجنۃ'' کے آخری انعام سے مطمئن ہوجاتا ہے۔ دیکھئے! کس انداز سے عشق ومحبت کی منزلیں طے کی گئیں اور کس کس طرح شاباشوں سے نوازا گیا!!! یہ اس عاشقانہ وعارفانہ عبادت کا بہت ہی مختصر سا نقشہ ہے۔

سفرِ عشق میں امتحان

ظاہر ہے کہ مقصد بہت ہی اعلیٰ ہے، اس لیے کبھی کبھی اس مقصد کے حصول کے لیے امتحان بھی ناگزیر ہوتا ہے، مدتوں کے جمے ہوئے تہ بر تہ زنگ وغبار کو دور کرنے کے لیے شدید تنقیہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ کبھی جان پر امتحان آتا ہے، کبھی مال پر، کبھی رفقاء سے تنہا کرا کر تڑپایا جاتا ہے، کبھی پٹوا کر رُلایا جاتا

www.banuri.edu.pk

ہے، کبھی ہر آسائش وراحت چھین کر آخرت کی آسائش وراحت کی نعمت سے نوازا جاتا ہے۔ بہرحال یہ رازِ سربستہ کسی کے بس کی بات نہیں، شانِ ربوبیت کے کریمانہ کرشمے ہیں، شانِ صمدیت کا ظہور ہے اور ارحم الراحمین کی رحمت خفیہ کے شیون ہیں۔ رحمت الٰہی کا ظہور کبھی بصورتِ رحمت ہوتا ہے، کبھی بشکل زحمت، کسی کو چوں وچرا کی گنجائش نہیں۔ یہ وہ مقام ہے کہ عارفین جو دریائے معرفت کے غوطہ زن ہیں وہ بھی سرِ حیرت جھکا کر خاموش ہیں۔ صبر آزما امتحان لیا جاتا ہے، کبھی جوع وخوف سے، کبھی انفس واموال زیر امتحان ہوتے ہیں، رضا بالقضاء کے لیے مجاہدہ کرایا جاتا ہے اور مہربانی اور شاباش کی بارش ہوتی اور آخر میں جنت کی سند مل جاتی ہے اور ''**والحج المبرور لیس لہٗ جزاء إلا الجنۃ**'' کا تحفہ عطا کیا جاتا ہے، بلاشبہ عبدیت کا ظہور اور شانِ عشق ومحبت کا مظاہرہ جس طرح حج بیت اللہ الحرام میں ہوتا ہے کسی اور عبادت میں نہیں ہوتا۔

امسال سالِ گزشتہ یا گزشتہ سالوں کی بہ نسبت بے حد ہجوم تھا اور تقریباً نصف ملین (۵۰۰۰۰۰) خدا کی مخلوق زیادہ پہنچ گئی تھی۔ محدود مقامات اور محدود انتظامات میں غیر محدود مخلوق کا انتظام درہم برہم ہوگیا تھا، قیام وطعام کی دشواریاں تھیں، ٹریفک اور مواصلات کا نظام تقریباً بس سے باہر تھا۔ ایک ترکی قوم کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی جن کی دیوہیکل بسوں نے تمام حجاج کرام کو بے بس بنادیا تھا، سڑکیں بند، راستے مشغول، شاہ فیصل کے عہد مبارک کے شاہانہ انتظامات نے بھی عجز وتقصیر کا اعتراف کیا۔ اگرچہ قدم قدم پر حق تعالیٰ کی شانِ ربوبیت کرم فرما تھی اور شاہ فیصل کے عہد کے برکات بالکل ظاہر وباہر تھے، لیکن پھر بھی حکومتوں کا حج پر کنٹرول کرکے حجاج کے کوٹے مقرر کرکے تحدید کرنے کی مصلحتیں تکوینی طرز پر واضح ہوگئیں، اس سلسلہ میں چند باتیں اور گزارشات ضروری خیال کرتا ہوں۔

حجاج کی لیے چندضروری ہدایات

ا:.....عورتوں اور مردوں کا ناگفتہ بہ اختلاط طوافوں میں، نمازوں میں اور سلام کی حاضری میں غیر شرعی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ عورتوں کے طواف کے لیے رات یا دن میں کوئی وقت مخصوص کرلیا جائے اور اس طرح سلام کی حاضری کے لیے بھی وقت مخصوص ہو، ان اوقات میں مردوں کو طواف یا حاضری سے روکا جائے۔

۲:.....نہ تو عورتوں پر جماعت کی پابندی ہے، نہ مسجد کی حاضری کی فضلیت ہے، نہ نماز جمعہ ان پر فرض ہے، اس لیے عورتیں گھر میں نماز پڑھا کریں اور اسی طرح جمعہ میں عورتوں کی حاضری روکی جائے۔ موجودہ صورت حال نہ شرعاً درست ہے، نہ عقلاً قابل برداشت ہے۔

۳:.....رمی جمرات کے لیے عورتیں رات کو جایا کریں جس طرح بوڑھوں اور مریضوں کے لیے بھی یہی وقت مناسب ہے، بلاشبہ بغیر عذر کے یہ خلافِ سنت ہے، لیکن موجودہ صورت حال میں ان

شاء اللہ! کراہت بھی ختم ہوجائے گی۔

۴:..... تمام حضرات جو حج بیت اللہ الحرام کا ارادہ کریں تمام ضروری مسائل یاد کر کے آئیں۔فرائض وواجبات کا اہتمام بہت ضروری ہے۔ بسا اوقات یہ دیکھا گیا کہ لوگ فرائض وواجبات میں تقصیر کرتے ہیں اور فضائل ومستحبات کا اہتمام ہوتا ہے۔

اس وقت جو صورتِ حال ہے قانونی وفقہی احکام کے پیش نظر تو یہ امید رکھنا بہت مشکل ہے کہ یہ عبادت صحیح ادا ہوئی یا یہ حج مبرور ہوگا۔صحیح طواف کیسے ہو؟ اور اس میں کیا کیا باریکیاں ہیں؟ اگر ایک قدم طواف کا ایسا ادا ہو کہ بیت اللہ کی طرف سینہ ہوجائے تو سارا طواف بیکار ہوگیا، اگر شروع کرنے میں حجر اسود سے تقدم ہوگیا تو طواف میں نقصان آجاتا ہے، اگر ایک انچ ہٹ کر طواف شروع کیا تو سرے سے طواف ہوا ہی نہیں، خاص کر ازدہام وہجوم میں صحیح طواف کرنا بے حد دشوار مرحلہ ہے، عورتیں مردوں کے درمیان کھڑی ہوجاتی ہیں، ایک عورت اگر صف میں مردوں کے درمیان کھڑی ہوگئی تو تین مردوں کی نماز غارت ہوگئی، جو شخص دائیں ہو جو بائیں ہو، جو اس سیدھ میں پیچھے ہو۔ اگر ایک ہزار عورتیں اس طرح صفوں کے درمیان ہیں تو تین ہزار مردوں کی نماز فاسد ہوگئی۔ دورانِ سفر بہت سی نمازیں قضا ہوجاتی ہیں، اگر فرض نماز قضا ہوگئی تو حج مبرور کی توقع رکھنا مشکل ہے۔ الغرض اس طرح دسیوں مسائل ہیں کہ جن سے عوام تو کیا علماء بھی غافل ہیں۔ رمی جمرات میں تو معمولی عذر پر دوسروں کو وکیل بنایا جاتا ہے، اس طرح وہ توکیل صحیح نہیں ہوتی، دم لازم آجاتا ہے، غور کرنے سے محسوس ہوا کہ جہاں تک مسائل واحکام کا تعلق ہے مشکل سے یہ کہا جائے گا کہ یہ حج صحیح ادا ہوگیا، لیکن حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت کاملہ کے پیش نظر کوئی بعید نہیں کہ اگر نیت صحیح ہو اور جذبہ سچا ہو تو تمام کوتاہیاں اور قانونی فروگزاشتیں سب معاف ہوں اور ارحم الراحمین کی رحمت عامہ سے یہی امید ہے کہ اپنے گنہگار بندوں کی کوتاہیوں سے درگزر فرما کر اپنی رحمت ونعمت سے نوازے اور نہ معلوم کس کی کون سی ادا قبول ہوجائے اور کیا کچھ خزانہ رحمت سے ملے اور بلاشبہ حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت کاملہ کی موسلا دھار بارش میں کوئی بدنصیب ہی محروم رہے گا، ہوسکتا ہے کہ چند مقبولینِ بارگاہ کے طفیل سب کا حج قبول ہو، اس کی شان کریمی کے سامنے سب کچھ آسان ہے۔ کاش! اگر حق تعالیٰ کی اتنی مخلوق قانون کے مطابق جذباتِ صادقہ سے والہانہ انداز سے یہ فریضہ ادا کرتی تو امت کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا اور تمام عالم میں ان نمائندگانِ بارگاہِ قدس کا فیض جاری ہوتا جس حریمِ قدس کو ان شاندار کلمات سے وحی ربانی میں یاد کیا ہو:

’’إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ فِيْهِ اٰيٰتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيْمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا‘‘۔ (آل عمران:۹۷)

ان آیاتِ بینات اور ان برکات وتجلیات کا کیا ٹھکانا؟ بہرحال کہنا یہ ہے کہ کوشش کی جائے کہ

قانون کی رو سے بھی صحیح حج ہو اور نیت وجذبہ بھی سچا ہو اور قدم قدم پر تقصیر کا احساس ہو اور یہ تصور مستمر قائم ہو کہ اس حریمِ قدس میں حاضری کے آداب کی اہلیت کہاں؟ ہم جیسے ناپاکوں کو اس سرزمین میں حاضری کی دعوت دی گئی اور پہنچ گئے، یہ محض حق تعالیٰ شانہٗ کا عظیم احسان ہے کہ اس مقدس زمین اور بقعۂ نور میں سراپا ظلمات والے کو جگہ عطا فرمادی۔ توقع ہے کہ اس احساس سے بارگاہِ قدس میں شرف قبولیت نصیب ہو۔ یہ جو کچھ بیت اللہ کی عظمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یہ بہت سطحی حقائق کے درجہ میں بات عرض کی گئی، ورنہ جو حقائق واسرار عارفین وکبار صوفیاء کرام: شیخ اکبرؒ، امام ربانی شیخ احمد سرہندیؒ، حضرت شیخ سید آدم بنوریؒ، شاہ عبدالعزیزؒ اور حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہم اللہ جمیعًا نے بیان فرمائے ہیں وہ ’’بینات‘‘ کے دائرہ بیان سے بالاتر ہیں۔

راقم الحروف نے اپنے رسالہ ’’**بغیة الأریب فی مسائل القبلة والمحاریب**‘‘ کے آخر میں کچھ تھوڑا سا حصہ بیان کیا ہے۔ بہرحال کعبۃ اللہ اس مادی کائنات میں شعائر اللہ میں داخل ہے۔ نماز میں اگر حق تعالیٰ شانہٗ سے مناجات وہم کلامی کا شرف حاصل ہوتا ہے تو حج میں حق تعالیٰ کے گھر میں مہمانی کا شرف ومجد حاصل ہے۔ جب ہم کلامی کی عظمت بیت الحرام میں نصیب ہو اور دونوں عظمتیں جمع ہوجائیں تو جو کچھ بھی اس کا درجہ ہوگا تصور وخیال سے بالاتر ہے:

’’نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز‘‘

یہ وہ مقام ہے کہ انتہائی تعظیم وادب کی ضرورت ہے، لیکن آج کل ہماری غفلت وجہالت سے جو صورت حال ہے وہ ظاہر ہے۔ افسوس یہ ہے کہ ہماری تمام عبادات کی صرف صورت رہ گئی روح نکل گئی ہے۔ تمام عبادات بے جان لاشے ہیں، اگر ان میں جان ہوتی تو آج امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔ حق تعالیٰ کی رحمت ہے اور اسلام کا حکیمانہ نظام ہے کہ مساجد بھی بیوت اللہ ہیں:

’’**وأن المساجد للّٰه فلا تدعوا مع اللّٰه أحدا۔**‘‘

’’مساجد صرف اللہ تعالیٰ کی ہیں، ان میں صرف اللہ ہی کی عبادت ہونی چاہیے۔‘‘

آخری سب سے بڑا مرکزی گھر وہ مسجد حرام وہ بیت الحرام ہے، جس سے عالم میں بجز اس مقام کے جہاں حضرت سید الکونین ﷺ آرام فرمارہے ہیں کوئی مقدس قطعہ نہیں، جہاں پر حق تعالیٰ کی طرف سے انوار کی موسلا دھار بارش برستی ہے، فرشتے طواف کے لیے آسمانوں سے اترتے ہیں۔ حق تعالیٰ مسلمانوں اور حجاج کرام کو توفیق نصیب فرمائے کہ اس مقام کی صحیح معرفت نصیب ہو، بقدر طاقت بشری حق ادا کرسکیں۔

☆☆☆

قربانی کے احکام ومسائل

مفتی اعظم پاکستان مفتی ولی حسن ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ

زیرِنظر فقہی مضمون حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی ولی حسن ٹونکی نوراللہ مرقدہٗ کا تحریر کردہ ہے، جو اس سے پہلے بھی موقع کی مناسبت سے ماہنامہ بینات کی زینت بن چکا ہے۔ اس سال بھی ذوالحجہ اور قربانی کے ایام کی مناسبت سے افادۂ عام کی خاطر قندِمکرر کے طور پر نذرِقارئین ہے۔ (ادارہ)

عشرۂ ذی الحجہ کے فضائل

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے عشرۂ ذی الحجہ سے بہتر کوئی زمانہ نہیں، ان میں ایک دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر اور ایک رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر ہے۔'' (ترمذی، ابن ماجہ)

قرآن مجید میں سورۂ ''والفجر'' میں اللہ تعالیٰ نے دس راتوں کی قسم کھائی ہے اور وہ دس راتیں جمہور کے قول کے مطابق یہی عشرۂ ذی الحجہ کی راتیں ہیں۔ خصوصاً نویں ذی الحجہ کا روزہ رکھنا ایک سال گزشتہ اور ایک سال آئندہ کے گناہوں کا کفارہ ہے اور عید کی رات میں بیدار رہ کر عبادت میں مشغول رہنا بڑی فضیلت اور ثواب کا موجب ہے۔

تکبیرتشریق

'' ألله أكبر ألله أكبر لا إله إلا الله والله أكبر ألله أكبر ولله الحمد ''۔

نویں تاریخ کی صبح سے تیرہویں تاریخ کی عصر تک ہر نماز کے بعد بآوازِ بلند ایک مرتبہ مذکورہ تکبیر کہنا واجب ہے۔ فتویٰ اس پر ہے کہ باجماعت اور تنہا نماز پڑھنے والے اس میں برابر ہیں، اس طرح مرد وعورت دونوں پر واجب ہے، البتہ عورت بآوازِ بلند تکبیر نہ کہے، آہستہ سے کہے۔ (شامی)

عیدالاضحیٰ کے دن مذکورہ ذیل امور مسنون ہیں:

صبح سویرے اُٹھنا، غسل ومسواک کرنا، پاک وصاف عمدہ کپڑے جو اپنے پاس ہوں پہننا، خوشبو لگانا، نماز سے پہلے کچھ نہ کھانا، عیدگاہ کو جاتے ہوئے راستہ میں بآوازِ بلند تکبیر کہنا۔

نمازِ عید

نمازِ عید دو رکعت ہیں۔ نمازِ عید اور دیگر نمازوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ اس میں ہر رکعت کے اندر تین تین تکبیریں زائد ہیں۔ پہلی رکعت میں ''سبحانک اللّٰھم'' پڑھنے کے بعد قراءت سے پہلے اور دوسری رکعت میں قراءت کے بعد رکوع سے پہلے۔ ان زائد تکبیروں میں کانوں تک ہاتھ اٹھانے ہیں۔ پہلی رکعت میں دو تکبیروں کے بعد ہاتھ چھوڑ دیں، تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لیں۔ دوسری رکعت میں تینوں تکبیروں کے بعد ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں، چوتھی تکبیر کے ساتھ رکوع میں چلے جائیں۔

☆......اگر دورانِ نماز امام یا کوئی مقتدی عید کی زائد تکبیریں یا ترتیب بھول جائے تو ازدہام کی وجہ سے نماز درست ہوگی، سجدۂ سہو بھی ضروری نہیں۔

☆......اگر کوئی نماز میں تاخیر سے پہنچا اور ایک رکعت نکل گئی تو فوت شدہ رکعت کو پہلی رکعت کی ترتیب کے مطابق قضاء کرے گا، یعنی ثناء ''سبحانک اللّٰھم'' کے بعد تین زائد تکبیریں کہے گا اور آگے ترتیب کے مطابق رکعت پوری کرے گا۔

نمازِ عید کے بعد خطبہ سننا مسنون ہے۔ خطبہ سننے کا اہتمام کرنا چاہیے، خطبہ سے پہلے اٹھنا درست نہیں ہے۔

فضائل قربانی

قربانی کرنا واجب ہے، رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد ہر سال قربانی فرمائی، کسی سال ترک نہیں فرمائی۔ جس عمل کو حضور ﷺ نے لگاتار کیا اور کسی سال بھی نہ چھوڑا ہو تو یہ اُس عمل کے واجب ہونے کی دلیل ہے۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ نے قربانی نہ کرنے والوں پر وعید ارشاد فرمائی۔ حدیث پاک میں بہت سی وعیدیں ملتی ہیں، مثلاً: آپ ﷺ کا یہ ارشاد کہ جو قربانی نہ کرے، وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔ علاوہ ازیں خود قرآن میں بعض آیات سے بھی قربانی کا وجوب ثابت ہے۔ جو لوگ حدیث پاک کے مخالف ہیں اور اس کو حجت نہیں مانتے، وہ قربانی کا انکار کرتے ہیں، ان سے جو لوگ متأثر ہوتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ پیسے دے دیئے جائیں یا یتیم خانہ میں رقم دے دی جائے، یہ بالکل غلط ہے، کیونکہ عمل کی ایک تو صورت ہوتی ہے، دوسری حقیقت ہے، قربانی کی صورت یہی ضروری ہے، اس کی بڑی مصلحتیں ہیں، اس کی حقیقت اخلاص ہے۔ آیت قرآنی سے بھی یہی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔

قربانی کی بڑی فضیلتیں ہیں

مسند احمد کی روایت میں ایک حدیث پاک ہے، حضرت زید بن ارقمؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ: یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: قربانی تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا: ہمارے لیے اس میں کیا ثواب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے ایک ایک بال کے عوض ایک نیکی ہے۔ اون کے متعلق فرمایا: اس کے ایک ایک بال کے عوض بھی ایک نیکی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قربانی کے دن اس سے زیادہ کوئی عمل محبوب نہیں، قیامت کے دن قربانی کا جانور سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ لایا جائے گا اور خون کے زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے یہاں قبولیت کی سند لے لیتا ہے، اس لیے تم قربانی خوش دلی سے کرو۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں: قربانی سے زیادہ کوئی دوسرا عمل نہیں، الا یہ کہ رشتہ داری کا پاس کیا جائے۔ (طبرانی)

رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا کہ: تم اپنی قربانی ذبح ہوتے وقت موجود رہو، کیونکہ پہلا قطرہ خون گرنے سے پہلے انسان کی مغفرت ہوجاتی ہے۔

قربانی کی فضیلت کے بارے میں متعدد احادیث ہیں، اس لیے اہل اسلام سے درخواست ہے کہ اس عبادت کو ہرگز ترک نہ کریں جو اسلام کے شعائر میں سے ہے۔ اور اس سلسلہ میں جن شرائط وآداب کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے، اُنہیں اپنے سامنے رکھیں اور قربانی کا جانور خوب دیکھ بھال کر خریدیں۔ قربانی سے متعلق مسائل آئندہ سطور میں درج کیے جارہے ہیں:

مسائل قربانی

مسئلہ نمبر:۱...... جس شخص پر صدقۂ فطر واجب ہے، اُس پر قربانی بھی واجب ہے۔

☆ ...... یعنی قربانی کے تین ایام (۱۰، ۱۱، ۱۲/ ذوالحجہ) کے دوران اپنی ضرورت سے زائد اتنا مال یا اشیا جمع ہوجائیں کہ جن کی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہو تو اس پر قربانی لازم ہے، مثلاً: رہائشی مکان کے علاوہ کوئی مکان ہو، خواہ تجارت کے لیے ہو یا نہ ہو، اسی طرح ضروری سواری کے طور پر استعمال ہونے والی گاڑی کے علاوہ گاڑی ہو تو ایسے شخص پر بھی قربانی لازم ہے۔

مسئلہ نمبر:۲...... مسافر پر قربانی واجب نہیں۔

مسئلہ نمبر:۳...... قربانی کا وقت دسویں تاریخ سے لے کر بارہویں تاریخ کی شام تک ہے، بارہویں تاریخ کا سورج غروب ہوجانے کے بعد درست نہیں۔ قربانی کا جانور دن کو ذبح کرنا افضل ہے، اگرچہ رات کو بھی ذبح کرسکتے ہیں، لیکن افضل بقرہ عید کا دن، پھر گیارہویں اور پھر بارہویں تاریخ ہے۔

مسئلہ نمبر:۴...... شہر اور قصبوں میں رہنے والوں کے لیے عید الاضحیٰ کی نماز پڑھ لینے سے قبل قربانی کا جانور ذبح کرنا درست نہیں ہے۔ دیہات اور گاؤں والے صبح صادق کے بعد فجر کی نماز سے پہلے بھی قربانی کا جانور ذبح کرسکتے ہیں۔ اگر شہری اپنا جانور قربانی کے لیے دیہات میں بھیج دے تو وہاں اس کی قربانی بھی نمازِ عید سے قبل درست ہے اور ذبح کرانے کے بعد اس کا گوشت منگوا سکتا ہے۔

مسئلہ نمبر:۵...... اگر مسافر مالدار ہو اور کسی جگہ پندرہ دن قیام کی نیت کرے، یا بارہویں تاریخ کو سورج غروب ہونے سے پہلے گھر پہنچ جائے، یا کسی نادار آدمی کے پاس بارہویں تاریخ کو غروبِ شمس سے پہلے اتنا مال آجائے کہ صاحب نصاب ہوجائے تو ان تمام صورتوں میں اس پر قربانی واجب ہوجاتی ہے۔

www.banuri.edu.pk

☆...... نیز اگر مسافر مالدار ہو، دورانِ سفر قربانی کے لیے رقم بھی ہو اور وہ پندرہ دن سے کم عرصہ کے لیے رہائش پذیر ہونے کے باوجود بآسانی قربانی کرسکتا ہو تو قربانی کرلینا بہتر ہے۔

مسئلہ نمبر:۶ ......قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا زیادہ اچھا ہے، اگر خود ذبح نہ کرسکتا ہو تو کسی اور سے بھی ذبح کراسکتا ہے۔

☆......بعض لوگ قصاب سے ذبح کراتے وقت ابتداءً خود بھی چھری پر ہاتھ رکھ لیا کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ قصاب اور قربانی والے دونوں مستقل طور پر تکبیر پڑھیں، اگر دونوں میں سے ایک نے نہ پڑھی تو قربانی صحیح نہ ہوگی۔ (شامی، ج:۶،ص:۳۳۴)

مسئلہ نمبر:۷......قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت زبان سے نیت پڑھنا ضروری نہیں، دل میں بھی پڑھ سکتا ہے۔

مسئلہ نمبر:۸......قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت اس کو قبلہ رخ لٹائے اور اس کے بعد یہ دعا پڑھے: ''إِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِیْفاً وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ، إِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، لَاشَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ، أَللّٰهُمَّ مِنْکَ وَلَکَ''۔ اس کے بعد ''بسم اللّٰہ أللّٰہ أکبر'' کہہ کر ذبح کرے۔ (کذا فی سنن ابی داؤد)

ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے: ''أللّٰھم تقبّلہ منّی کما تقبّلت من حبیبک محمد وخلیلک إبراھیم علیھما الصلوٰۃ والسلام''۔

مسئلہ نمبر:۹......قربانی صرف اپنی طرف سے کرنا واجب ہے، اولاد کی طرف سے نہیں، اولاد چاہے بالغ ہو یا نابالغ، مالدار ہو یا غیر مالدار۔

مسئلہ نمبر:۱۰......درج ذیل جانوروں کی قربانی ہوسکتی ہے: اونٹ، اونٹنی، بکرا، بکری، بھیڑ، دُنبہ، گائے، بیل، بھینس، بھینسا۔

بکرا، بکری، بھیڑ اور دُنبہ کے علاوہ باقی جانوروں میں سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں، بشرطیکہ کسی شریک کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہ ہو اور سب قربانی کی نیت سے شریک ہوں یا عقیقہ کی نیت سے، صرف گوشت کی نیت سے شریک نہ ہوں۔

☆......گائے، بھینس اور اُونٹ وغیرہ میں سات سے کم افراد بھی شریک ہوسکتے ہیں، اس طور پر کہ مثلاً چار آدمی ہوں تو تین افراد کے دو دو حصے اور ایک کا ایک حصہ ہوجائے۔ نیز اگر پورے جانور کو چار حصوں میں تقسیم کرلیں، یہ بھی درست ہے۔ یا یہ کہ دو آدمی موجود ہوں تو نصف نصف بھی تقسیم کرسکتے ہیں۔

☆......اسی طرح اگر کئی افراد مل کر ایک حصہ ایصالِ ثواب کے طور پر کرنا چاہیں تو یہ بھی جائز ہے، البتہ ضروری ہے کہ سارے شرکا اپنی اپنی رقم جمع کرکے ایک شریک کو ہبہ کردیں اور وہ اپنی طرف سے قربانی کردے، اس طرح قربانی کا حصہ ایک کی طرف سے ہوجائے گا اور ثواب سب کو ملے گا۔

مسئلہ نمبر:۱۱......اگر قربانی کا جانور اس نیت سے خریدا کہ بعد میں کوئی مل گیا تو شریک کرلوں گا اور بعد

میں کسی اور کو قربانی یا عقیقہ کی نیت سے شریک کیا تو قربانی درست ہے اور اگر خریدتے وقت کسی اور کو شریک کرنے کی نیت نہ تھی، بلکہ پورا جانور اپنی طرف سے قربانی کرنے کی نیت سے خریدا تھا تو اب اگر شریک کرنے والا غریب ہے تو کسی اور کو شریک نہیں کرسکتا اور اگر مالدار ہے تو شریک کرسکتا ہے، البتہ بہتر نہیں۔

☆......ایک جانور قربانی کرنے کے لیے خریدا، اگر اس کے بدلے دوسرا حیوان دینا چاہے تو جائز ہے، مگر یہ لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ دوسرا حیوان کم از کم اسی قیمت کا ہو، اگر اس سے کم قیمت کا ہو تو زائد رقم اپنے پاس رکھنا جائز نہیں، بلکہ صدقہ کرنا ضروری ہے۔ ہاں! اگر زبانی طور پر جانور کو متعین نہ کیا ہو، بلکہ یہ ارادہ کیا ہو کہ اگر اچھی قیمت میں فروخت ہورہا ہو تو فروخت کردیں گے۔ اس صورت میں اصل قیمت سے زائد رقم اپنے پاس رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ نمبر:۱۲......قربانی کا جانور گم ہوا، اس کے بعد دوسرا خریدا، اگر قربانی کرنے والا امیر ہے تو ان دونوں جانوروں میں سے جس کو چاہے ذبح کرے، جب کہ غریب پر ان دونوں جانوروں کی قربانی واجب ہوگی۔

وضاحت: اگر کسی آدمی نے قربانی کے لیے جانور خریدا اور خریدنے کے بعد وہ جانور قربانی کرنے سے پہلے گم ہوجائے تو صاحب حیثیت آدمی پر قربانی کے لیے دوسرا جانور خریدنا ضروری ہے، کیونکہ اس پر قربانی شرعاً واجب تھی اور واجب ادا نہیں ہوا، جبکہ فقیر آدمی پر دوسرا جانور خریدنا اور قربانی کرنا لازم نہیں تھا، اس کے باوجود غریب نے دوسرا جانور بھی خرید لیا، اب اگر مالدار اور غریب ہر دو کا پہلا گم شدہ جانور مل جائے تو امیر پر صرف شرعی واجب (قربانی) کا ادا کرنا لازم ہے، جس جانور کو ذبح کردے کافی ہے، جب کہ غریب پر خود سے واجب کردہ جانوروں کی قربانی کرنا لازم ہے۔

اس کی تفصیل یوں ہے کہ امیر آدمی پر نصاب کی وجہ سے قربانی واجب تھی، اس نے وہ ادا کردی، اس کے حق میں جانور متعین نہیں ہوا تھا، اُسے اختیار ہے کہ جس جانور کو چاہے ذبح کردے، جبکہ غریب آدمی پر قربانی لازم نہیں تھی، غریب نے ازخود جانور خرید کر اپنے پر قربانی کو لازم کرلیا اور جو جانور اس نے خریدا وہ بھی متعین ہوگیا، اب پہلا جانور جو غریب کے حق میں قربانی کے نام سے متعین ہوچکا، اگر وہ گم ہوجائے تو اس کے بدلے دوسری قربانی لازم نہ تھی، اس کے باوجود غریب نے دوسرا جانور خرید کر اپنے پر قربانی لازم کرلی، اس بنا پر فقیر آدمی پر دوسری قربانی بھی لازم ہوئی۔ لہٰذا غریب آدمی دونوں جانوروں کی قربانی کرے گا۔ بخلاف مالدار کے کہ اس پر صرف قربانی لازم ہے، جانور متعین نہیں ہے، دونوں جانوروں میں سے کسی ایک کی قربانی کردے تو کافی ہے۔

مسئلہ نمبر:۱۳......قربانی کے جانور میں اگر کئی شرکاء ہیں تو گوشت وزن کرکے تقسیم کریں۔

مسئلہ نمبر:۱۴......بھیڑ، بکری جب ایک سال کی ہوجائے، گائے، بھینس دو سال کی اور اونٹ پانچ سال کا تو اس کی قربانی جائز ہے، اگر اس سے کم ہے تو جائز نہیں۔ ہاں! دنبہ اور بھیڑ (نہ کہ بکرا) اگر اتنا موٹا تازہ ہو کہ سال بھر کا معلوم ہو تو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔

☆ ......موجودہ دور میں جانوروں کو تول کر (وزن کرکے) خرید وفروخت کرنا بھی جائز ہے، ایسی قربانی بلا شبہ درست ہے۔

مسئلہ نمبر: ۱۵......قربانی کا جانور اگر اندھا ہو، یا ایک آنکھ کی ایک تہائی یا اس سے زائد روشنی جاتی رہی ہو، یا ایک کان ایک تہائی یا اس سے زیادہ کٹ گیا ہو، یا دُم ایک تہائی یا اس سے زیادہ کٹ گئی ہو تو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔

☆ ......گائے اور بھینس کے دو تھن یا بکری کا ایک تھن خشک ہو چکا ہو یا پیدائشی طور پر نہ ہوں تو ایسے جانور کی قربانی بھی درست نہیں۔

مسئلہ نمبر: ۱۶......اسی طرح اگر جانور ایک پاؤں سے لنگڑا ہے، یعنی تین پاؤں سے چلتا ہے، چوتھے پاؤں کا سہارا نہیں لیتا تو ایسے جانور کی قربانی بھی جائز نہیں۔ ہاں! اگر وہ چوتھے پاؤں سے سہارا لیتا ہے، لیکن لنگڑا کے چلتا ہے تو ایسے جانور کی قربانی درست ہے۔

مسئلہ نمبر: ۱۷......قربانی کا جانور خوب موٹا تازہ ہونا چاہیے، اگر جانور اس قدر کمزور ہو کہ ہڈیوں میں گودا بالکل نہ رہا ہو، تو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔

☆ ......بعض لوگ موٹا تازہ جانور محض دکھلاوے یا ریا ونمود کے لیے خریدتے ہیں، ایسے لوگ قربانی کے ثواب سے محروم ہوتے ہیں، ان پر لازم ہے کہ وہ موٹا تازہ جانور تلاش کرتے ہوئے محض ثواب کی نیت کریں۔

مسئلہ نمبر: ۱۸......اگر کسی جانور کے تمام دانت گر گئے ہوں تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے اور اگر اکثر دانت باقی ہوں، کچھ گر گئے ہوں تو قربانی جائز ہے۔

☆ ......اگر کسی جانور کی عمر پوری ہو اور دانت نہ نکلے ہوں تو بھی قربانی ہوسکتی ہے، تاہم اس سلسلہ میں صرف جانوروں کے عام سوداگروں کی بات معتبر نہیں ہے، بلکہ یقین سے معلوم ہونا ضروری ہے یا یہ کہ خود گھر میں پالا ہوا جانور ہو تو اس کی قربانی کی جاسکتی ہے۔

مسئلہ نمبر: ۱۹......جس جانور کے پیدائشی کان ہی نہ ہوں، اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر: ۲۰......اگر کسی جانور کے سینگ بالکل جڑ سے ٹوٹ چکے ہوں، اس طور پر کہ دماغ اس سے متأثر ہوا ہو تو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں اور اگر معمولی ٹوٹے ہوں یا سرے سے سینگ ہی نہ ہوں، جیسے: اونٹ تو بلا کراہت جائز ہے۔

☆ ......اسی طرح گائے، بکری وغیرہ کے اگر پیدائشی سینگ نہ ہوں تو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔

مسئلہ نمبر: ۲۱......خارش زدہ جانور کی قربانی جائز ہے، البتہ اگر خارش کی وجہ سے بے حد کمزور ہو گیا ہو تو پھر جائز نہیں۔

مسئلہ نمبر: ۲۲......اگر قربانی کے جانور میں کوئی عیب پیدا ہوا جس کے ہوتے ہوئے قربانی درست نہ ہو تو مالدار شخص کے لیے یہ ضروری ہے کہ دوسرا جانور اس کے بدلے خرید کر قربانی کرے،

www.banuri.edu.pk

غریب ہے تو اسی جانور کی قربانی کرسکتا ہے۔

☆ ......اگر قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کے لیے گراتے ہوئے کوئی عیب پیدا ہو جائے، مثلاً: ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ جائے یا سینگ وغیرہ ٹوٹ جائے تو اس سے قربانی پر اثر نہیں پڑے گا، البتہ جانور کو گراتے وقت احتیاط کرنا چاہیے۔

مسئلہ نمبر: ۲۳......قربانی کے گوشت میں بہتر یہ ہے کہ تین حصے کرے، ایک حصہ اپنے لیے رکھے، ایک حصہ اپنے رشتہ داروں کو دے اور ایک حصہ فقراء ومساکین کو دے، لیکن اگر سارے کا سارا اپنے لیے رکھے تب بھی جائز ہے۔

مسئلہ نمبر: ۲۴......قربانی کی کھال کسی کو خیرات کے طور پر دے یا فروخت کرکے اس کی قیمت فقراء کو دے، البتہ اگر کسی دینی تعلیم کے مدرسہ اور جامعہ کو دے دے تو سب سے بہتر ہے، کیونکہ علم دین کا احیاء سب سے بہتر ہے۔

مسئلہ نمبر: ۲۵......قربانی کی کھال کو اپنے مصرف میں بھی لایا جاسکتا ہے، اس طور پر کہ اس کا عین باقی رہے، مثلاً: مصلیٰ بنائے یا رسی یا چھلنی بنائے تو درست ہے۔

مسئلہ نمبر: ۲۶......قربانی کی کھال کی قیمت مسجد کی مرمت یا امام ومؤذن یا مدرس یا خادم کی تنخواہ میں نہیں دی جاسکتی، نہ اس سے مدارس کی تعمیر ہوسکتی ہے اور نہ شفاخانوں یا دیگر رفاہی اداروں کی۔

مسئلہ نمبر: ۲۷......قربانی کی کھال قصائی کو اجرت میں دینا جائز نہیں۔

☆ ......اگر کسی کی قربانی کی کھال چوری ہوگئی یا چھن گئی تو اُسے چاہیے کہ وہ کھال کی رقم صدقہ کردے، اگر استطاعت نہ ہو تو کوئی حرج نہیں، قربانی پر فرق نہیں پڑے گا۔

مسئلہ نمبر: ۲۸......اگر قربانی کے تین دن گزر گئے اور قربانی نہیں کی تو اب ایک بکری یا بھیڑ کی قیمت خیرات کردے، اور اگر جانور خریدا تھا، مگر قربانی نہیں کی تو بعینہٖ وہی جانور خیرات کردے۔

مسئلہ نمبر: ۲۹......ایصالِ ثواب کے لیے قربانی کا گوشت خود بھی کھاسکتا ہے اور دوسروں کو بھی کھلاسکتا ہے۔

مسئلہ نمبر: ۳۰......اگر کسی شخص کے حکم کے بغیر اس کی طرف سے قربانی کی تو قربانی نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو اس کے حکم واجازت کے بغیر قربانی میں شریک کیا تو کسی کی بھی قربانی نہیں ہوگی، اسی طرح اگر حصہ داروں میں سے کوئی ایک صرف گوشت کی نیت سے شریک ہے تو کسی کی قربانی صحیح نہ ہوگی۔

مسئلہ نمبر: ۳۱......قربانی کا گوشت غیر مسلم کو بھی دے سکتا ہے، البتہ کسی کو اجرت میں نہیں دے سکتا۔

مسئلہ نمبر: ۳۲......گابھن جانور کی قربانی صحیح ہے، اگر بچہ زندہ نکلے تو اس کو بھی ذبح کردے۔ اور گوشت آپس میں تقسیم کرنے کی بجائے صدقہ کردیا جائے۔

☆ ......قربانی کے جانور کے بال کاٹنا یا دودھ دوھنا درست نہیں ہے، اگر کسی نے ایسا کیا تو اُسے صدقہ کرے، اگر بیچ دیا تو اس کی رقم کو صدقہ کرنا واجب ہے۔ (بدائع، ج:۵، ص:۷۸)

مسئلہ نمبر: ۳۳...... جو شخص قربانی کرنا چاہے اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ یکم ذوالحجہ سے قربانی کا جانور ذبح ہونے تک نہ اپنے جسم کے بال کاٹے اور نہ ناخن۔ (ابوداؤد)

☆......البتہ اگر زیرِناف اور بغل کے بالوں پر چالیس روز کا عرصہ گزر چکا ہو تو ان بالوں کی صفائی کرنا بہتر ہے۔

مسئلہ نمبر: ۳۴......قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ تک بھی رکھ سکتا ہے۔ (ابوداؤد)

مسئلہ نمبر: ۳۵......جانور ذبح کرنے کے لیے چھری خوب تیز ہونی چاہیے، تاکہ جانور کو تکلیف نہ ہو۔ (ابوداؤد)

مسئلہ نمبر: ۳۶......اگر کوئی شخص اپنی قربانی کا گوشت سارا کا سارا کسی اور کو کھلا دے، خود کچھ بھی نہ کھائے تو ایسا کرسکتا ہے۔ (کتاب الآثار)

مسئلہ نمبر: ۳۷......خصی جانور کی قربانی جائز، بلکہ افضل ہے، کیونکہ اس میں دوسرے کی بہ نسبت گوشت زیادہ ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر: ۳۸......ذبح کرتے وقت تکبیر کے علاوہ کچھ اور نہیں کہنا چاہیے، مثلاً: ''**باسم اللّٰہ تقبل من فلان**''۔ (کتاب الآثار)

مسئلہ نمبر: ۳۹......اگر کسی نے قربانی کی نذر مانی اور وہ کام ہوجائے تو قربانی واجب ہے، اس کے گوشت سے خود نہیں کھا سکتا، سارا فقراء اور مساکین کو کھلا دے۔

مسئلہ نمبر: ۴۰......اگر کسی شخص کی ساری یا اکثر آمدنی حرام کی ہو تو اس کو اپنے ساتھ قربانی میں شریک نہیں کرنا چاہیے۔ اگر شریک کیا تو کسی کی قربانی نہیں ہوگی۔

ایسا شخص جس کی ساری کمائی حرام کی ہو، اس پر قربانی لازم نہیں، کیونکہ اس کا سارا مال واجب التصدق (بلانیتِ ثواب صدقہ کرنا ضروری) ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ حرام مال سے کسی کا صدقہ قبول نہیں فرماتے، بلکہ وہاں صرف پاکیزہ مال سے کیا ہوا صدقہ وخیرات قبول ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر: ۴۱......بکری کے علاوہ دوسرے کسی جانور میں تمام شرکاء اپنا اپنا حصہ تقسیم کئے بغیر فقراء کو دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں۔

☆......البتہ اگر نذر کی قربانی ہو یا مرحوم کی وصیت کے تحت قربانی کررہے ہیں تو پھر تقسیم سے پہلے کسی فقیر کو دینا درست نہیں۔

مسئلہ نمبر: ۴۲......کسی نے مرتے وقت وصیت کی کہ میرے مال سے قربانی کی جائے تو اس قربانی کا سارا گوشت خیرات کرنا ضروری ہے، خود کچھ بھی نہ کھائے۔

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو قربانی کی روح اور حقیقت سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری یہ ظاہری قربانی حقیقی قربانی کے لیے پیش خیمہ ہو اور ہم اس ظاہری و مادی قربانی کی طرح اللہ کے حکم پر اپنی جان کی قربانی کے لیے بھی ہمیشہ تیار رہیں۔

واللّٰہ الموفق والمعین وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد وآلہٖ وصحبہٖ أجمعین

www.banuri.edu.pk

چند باتیں محدث العصر رحمۃ اللہ علیہ کی

افادات: حضرت مولانا حکیم محمد اختر رحمۃ اللہ علیہ

مرسلہٗ: ابن سرتاج عالم

وسیلہ کا مدلل ثبوت (حدیثِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے مثال)

یوں تو تصوف کا کوئی ایک مسئلہ بھی کتاب وسنت سے باہر نہیں، لیکن وسیلہ کے متعلق بعض اوقات ایسی باتیں بھی منکرین تصوف کردیتے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ توحید خالص کے خلاف ہے، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے، ذیل کا واقعہ اس مسئلہ میں راہنما ہے۔ توسل بالصالحین کا ثبوت تفصیل سے اہلِ حق کی کتابوں میں موجود ہے اور تفسیر روح المعانی میں اسی آیت کے ذیل میں موجود ہے، مَنْ شَآءَ فَلْيُرَاجِعْ ۔ البتہ ایک عجیب استدلال جو احقر نے حضرت علامہ محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے، وہ تحریر کرتا ہوں:

جوازِ توسل بالصالحین کے متعلق ایک عجیب استدلال (علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق)

ایک مرتبہ میرے شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھول پوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں محدثِ کبیر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما تھے، اس وقت میرے شیخ ثالث حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف رکھتے تھے، میں بھی موجود تھا کہ ایک شخص نے پوچھا کہ وسیلہ پکڑنا کہاں سے جائز ہے؟ آپ لوگ جو شجرہ پڑھتے ہیں اور بزرگوں کا وسیلہ پکڑتے ہیں، یہ کہاں سے جائز ہے؟ میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''ہمارے بڑے مولانا محمد یوسف صاحب بنوری ہیں، یہ اس کا جواب دیں گے۔'' حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: میں وہ جواب دیتا ہوں جو امام العصر حضرت مولانا علامہ سیّد محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے دیا تھا کہ: ''امام العصر حضرت علامہ سیّد محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: بخاری شریف میں روایت ہے کہ تین آدمی پہلی اُمت کے کہیں سفر کررہے تھے کہ ایک پہاڑ کے غار میں آرام کرنے لگے، اچانک ایک بڑا پتھر گرگیا جس سے وہ تینوں اشخاص بند ہوگئے، نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ پھر ان لوگوں نے کہا کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے اپنے عملِ صالح کے وسیلہ سے دعا کرے۔'' فَقَالُوْا: إِنَّهٗ لَا يُنْجِيْكُمْ مِّنْ هٰذِهِ الصَّخْرَةِ إِلَّا أَنْ تَدْعُوا اللّٰهَ بِصَالِحِ أَعْمَالِكُمْ۔'' (صحیح البخاری، ج:۱،ص:۳۰۲)

ایک نے کہا کہ: اے اللہ! میں اپنے بوڑھے ماں باپ کو رات میں دودھ پلاکر سلاتا تھا، پھر اپنے اہل وعیال کو، لیکن ایک دن مجھے دیر ہوگئی، پس میں نے ان کو سوتا ہوا پایا اور میں دودھ کا پیالہ لے کر

رات بھر کھڑا رہا۔ جب صبح کو بیدار ہوئے تو پلا دیا، پھر اپنے اہل وعیال کو پلایا۔ اگر آپ جانتے ہیں کہ یہ عمل میں نے صرف آپ کی رضا کے لیے کیا ہے تو اس عمل کی برکت سے اس پتھر کی چٹان کو ہٹا دیجیے۔ بس وہ پتھر اس قدر ہٹ گیا کہ نکلنا ممکن نہ تھا۔

پھر دوسرے نے دعا کی کہ اے اللہ! میری چچا زاد بہن تھی جو ’’کَانَتْ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَیَّ ‘‘ ....’’تمام لوگوں میں سب سے زیادہ میرے نزدیک محبوب تھی۔‘‘ اس سے میں نے اپنا مطلب چاہا، لیکن اس نے میری خواہش سے انکار کردیا، پھر بعد مدت میرے پاس آئی، میں نے اس کو ایک سوبیس دینار دیئے کہ وہ میری خواہش پوری کردے، بس وہ راضی ہوگئی، لیکن جب تنہائی میں اس پر پوری قدرت پالی تو اس نے کہا: میں تیرے لیے حلال نہیں ہوں، پس میں الگ ہوگیا اور وہ مجھے ’’احب الناس‘‘ تھی، حالانکہ وہ میرے لیے دنیا میں سب سے زیادہ محبوب تھی اور میں نے وہ دینار بھی اس سے واپس نہیں لیے۔ اے اللہ! اگر آپ جانتے ہیں کہ یہ کام میں نے صرف آپ کے لیے کیا ہے تو آپ اس چٹان کو الگ فرمادیجیے۔ اس عمل کی برکت سے پتھر اور ہٹ گیا، لیکن پھر بھی خروج ممکن نہ تھا۔

پھر تیسرے شخص نے دعا کی کہ اے اللہ! میں نے مزدور رکھے تھے کسی کام کے لیے، سب کو مزدوری دی تھی، ایک مزدور کی مزدوری باقی رہ گئی تھی اور وہ بدون مزدوری لیے چلا گیا۔ میں نے اس کے اس مال کو بڑھایا، یہاں تک کہ جب ایک عرصہ بعد وہ آیا اور اس نے مزدوری طلب کی تو میں نے کہا کہ: یہ اونٹ اور بیل اور بکریاں اور غلام سب تیری ملک ہیں یعنی تیری مزدوری سے یہ سب ہیں۔ اس نے مذاق سمجھا، لیکن جب میں نے پیش کردیا تو وہ سب لے کر چلا گیا۔ اے اللہ! اگر یہ عمل میں نے صرف آپ کی رضا کے لیے کیا ہے تو اس کی برکت سے یہ پتھر ہٹا دیجیے۔ پس وہ اس قدر ہٹ گیا کہ بآسانی یہ سب نکل گئے اور اس غم سے نجات پاگئے۔

پس اعمالِ صالحہ سے دعا میں توسل جب بخاری شریف سے ثابت ہے تو اسی حدیث سے استدلال کرتا ہوں کہ یہ اعمالِ صالحہ تو قالب کے اعمال ہیں اور اہل اللہ اور مقبولانِ بارگاہِ حق سے ہم کو جو محبت ہے یہ قلب کا عمل ہے اور قلب کا عمل قالب کے عمل سے افضل ہے، کیونکہ قلب جوارح کا بادشاہ ہے لہٰذا بدرجۂ اولیٰ اعمالِ قلب یعنی محبتِ مشائخ کا واسطہ اور وسیلہ دعا میں جائز ہے، کیونکہ بزرگوں کا وسیلہ دراصل اس محبت کا وسیلہ ہے جو ہمارے قلوب کو ان کے ساتھ ہے۔‘‘ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس استدلال سے بہت مسرور ہوئے۔ (کشکولِ معرفت:۳۹)

ہمارے اکابر کا طریقہ

میرے شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھول پوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: کوئی بھی صاحبِ باطن چندے کے لیے دروازے دروازے نہیں پھر سکتا، اگر اس کے قلب میں مولیٰ ہے تو اُسے غیرت آتی ہے، بتایئے! آپ نے مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ دروازے دروازے

پھر رہے ہوں؟ محدث کبیر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھو زکوۃ کا دس ہزار چندہ آیا تھا، حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے واپس کردیا کہ اس سال جتنے طلبہ ہیں، اُن کے لیے جتنی رقم سال بھر کے لیے چاہیے وہ میرے پاس ہے، اس لیے کسی اور مدرسے میں دے دو جہاں ضرورت ہو۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مفتی محمد حسن صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ لاہور میں جامعہ اشرفیہ کے بانی، ہمارے جتنے اکابر گزرے ہیں آپ بتاؤ! یہ رسید بک لے کر دروازوں پر گئے ہیں؟ (خزائن معرفت ومحبت: ۳۹۸)

درود سے پہلے استغفار پڑھنے کا راز

ایک دفعہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھول پوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ موجود تھے، مصر کے علماء اور غیر عرب کے علماء بھی تھے، وہاں ایک سوال چلا کہ صاحب! پہلے ہم استغفار پڑھیں یا پہلے درود شریف پڑھیں، اس میں کیا ترتیب رکھیں؟ چونکہ ہمارے شیخ سب سے بڑے تھے، لہٰذا حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ اور سب نے میرے شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھول پوری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ حضرت! آپ بیان کیجئے! آپ ہم سب میں بڑے ہیں اور حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے خلیفہ ہیں تو حضرت نے جواب دیا کہ اس کا جواب میں وہی دے رہا ہوں جو حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا تھا، جب ان سے کسی نے ایسا ہی سوال کیا تھا تو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: تم کپڑا پہلے دھوتے ہو یا عطر پہلے لگاتے ہو؟ یعنی گندا کپڑا پہلے دھوؤ گے یا عطر پہلے لگاؤ گے؟ تو اس نے کہا کہ پہلے کپڑا دھوئیں گے، تو فرمایا کہ اسی طرح پہلے استغفار کرکے اپنی روح کو دھولو، پھر درود شریف کا عطر لگاؤ۔ (معارفِ ربانی، ۲۲۵)

یہ ہیں علوم ہمارے اکابر کے ''ھٰؤُ لَاءِ اٰبَائِیْ فَجِئْنِیْ بِمِثْلِھِمْ'' یہ جواب میرے شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھول پوری رحمۃ اللہ علیہ نے نیو ٹاؤن کی مسجد میں محدث کبیر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے سوال پر دیا تھا، حضرت مولانا شاہ ابرارالحق ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے، بڑے بڑے علماء حاضر تھے اور اختر بھی اس وقت موجود تھا، کیونکہ میرے شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھول پوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا ماجد علی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پڑھی تھی، انہوں نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پڑھی تھی، اس لیے میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی بات دو واسطوں سے آپ کو نقل کررہا ہوں۔ (عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم، ص:۱۴)

اسی پر میری فارسی مثنوی کا شعر ہے:

اہل دل آں کس کہ حق را دِل دہد — دل دہد اورا کہ دِل را می دہد

اہلِ دل وہ ہیں جو اللہ کو اپنا دل دیتے ہیں اور مرنے والی لاشوں پر نہیں مرتے، جس نے ماں کے پیٹ میں دل بخشا اسی کو دل دیتے ہیں، تو حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے جو اتنے بڑے عالم اور امام العصر حضرت علامہ سیّد محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید تھے، میری فارسی کی مثنوی دیکھ کر

فوراً فرمایا کہ ''لَا فَرْقَ بَیْنَکَ وَ بَیْنَ مَوْلَا نَا رُوْمٍ ''یعنی: مجھے اختر میں اور مولانا رومؒ میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا یعنی کلام کے اعتبار سے، مقام کے اعتبار سے نہیں ۔ اپنی تقریظ میں تحریر فرمایا:

''برادرِمحترم جناب مولانا حکیم محمد اختر صاحب کی تالیف لطیف ''معارفِ مثنوی'' پڑھ کر موصوف سے اتنی عقیدت ہوئی کہ جس کا مجھے تصوّر بھی نہ ہوسکتا تھا، فارسی و اردو میں قدرتِ شعر، حسن ذوق، پاکیزگیِ خیالات، دردِدل کا بہترین مرقع ہے۔اب موصوف نے دیوانِ شمس تبریزؒ جو عارف رومی متکلمؒ کے شیخ ہیں، ان کے حقائق ومعارف کا انتخاب وتشریح وبیان لکھ کر اپنے حسنِ ذوق، لطافتِ طبع، سلامتِ فکر کا ایک اور شاہد عدل پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اربابِ ذوق کو ان کی شگفتہ تالیفات وانتخابات سے مزید مستفید فرمائے، آمین''۔

محمد یوسف بنوری، سہ شنبہ ۸؍ربیع الاول ۱۳۹۶ھ

اللہ کا شکر ہے کہ بڑوں نے ہماری عزت افزائی کی ہے۔ مفتی حسین بھیات کہہ رہے ہیں کہ جب حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا تو مفتی حسین بھیات بھی وہاں موجود تھے، یہ ابھی زندہ شاہد ہیں، الحمدللہ۔ دعا کرلیجئے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس مسافر مریض کی دعا قبول فرماکر اللہ ہم سب کو، ہمارے گھر والوں کو اللہ والا بنادے۔ اپنی رحمت سے ہر مومن کو، تمام مسلمانانِ عالم کو اللہ والا بنادے اور کافروں کو بھی ایمان عطا فرماکر ان کو بھی جنت کے قابل بنادے۔ ''رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّکَ أَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔'' (مورخہ ۲۸؍ربیع الاوّل ۱۴۲۵ھ مطابق ۱۸؍مئی ۲۰۰۴ء بروز منگل، ماخوذ: پردیس میں تذکرۂ وطن: ۲۵۷)

تکبیر اُولیٰ کا معنی

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے میرے شیخ کے سامنے فرمایا، میں بھی وہاں موجود تھا کہ: لوگ تکبیر اولیٰ کے معنیٰ یہ سمجھتے ہیں کہ جب امام ''اللہ اکبر'' کہے اسی وقت وہ بھی ''اللہ اکبر'' کہیں۔ تو فرمایا کہ تکبیرِ اولیٰ کے یہ معنیٰ نہیں ہیں، بلکہ جب تک تکبیرِ ثانیہ نہ ہو، یعنی امام رکوع میں نہ جائے اس وقت تک جو جماعت میں شامل ہوجائے گا اسے تکبیر اولیٰ مل جائے گی۔ تو تکبیرِ اولیٰ کا دورانیہ تکبیرِ ثانیہ کے قبل تک ہے۔ آہ! یہ بزرگوں کی صحبت کا اثر ہے۔ الحمدللہ! اختر کو بزرگوں کی اتنی صحبت نصیب ہوئی۔ (سفر افریقہ)

میر مجلس کے متعلق

حکیم الامت، مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حضرت علامہ سید سلیمان ندوی، حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی، حضرت مفتی محمد شفیع، حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہم اللہ جیسے بڑے بڑے علماء سب خاموش رہتے تھے۔ میر مجلس کے متعلق یہ حسنِ ظن رکھنا چاہیے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے علوم کی بارش ہورہی ہے، تم بولو گے تو اس بارش میں دخل انداز ہوگے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے فضل میں دخل انداز مت ہو، خاموشی سے سنو۔ (الطافِ ربانی: ۴۷)

دارالعلوم دیوبند (انڈیا) کا نیازمندانہ سفر

مولانا عبدالرؤف غزنوی
سابق استاذ: دارالعلوم دیوبند انڈیا، حال استاذ: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

(چوتھی اور آخری قسط)

گنگوہ و تھانہ بھون حاضری کی تمنا

دیوبند کے اس مختصر سفر کے دوران دل چاہ رہا تھا کہ ہمارے دوسرے علمی و دینی مراکز بالخصوص گنگوہ و تھانہ بھون حاضری کا موقع بھی مل جائے، ان علمی مراکز کی زیارت اگرچہ قیام دارالعلوم دیوبند کے زمانہ میں ہو چکی تھی، لیکن ان کی کشش و برکات اور شاندار تاریخ ہر زائر کو بار بار زیارت کرنے کی دعوت دیتی ہے۔ گنگوہ جو دیوبند سے تقریباً ۴۵ ر کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے وہ عظیم بستی ہے جو شیخ اجل حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ: ۹۴۴ھ = شیخ اجل) کے زمانہ سے اولیاء اللہ واہل علم کا مرکز رہی ہے، اور امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ (متوفیٰ: ۱۳۲۳ھ) نے بھی یہیں سے مسندِ تدریس وارشاد کے ذریعہ دنیا کے گوشے گوشے کو بالذات یا بالواسطہ علوم نبوت کے انوار سے منور کر دیا۔ میرے استاد و مرشد فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۱۴۱۷ھ) صدر مفتی دارالعلوم دیوبند بھی اسی بستی سے تعلق رکھتے تھے۔

تھانہ بھون ایسی ممتاز ہستیوں کا مرکز رہا ہے جن کی نسبت سے اس قصبے کو عالمی مقبولیت اور دائمی شہرت نصیب ہوئی، ان ممتاز ہستیوں میں سرِ فہرست سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت حافظ محمد ضامن شہیدؒ، حضرت مولانا شیخ محمد تھانویؒ، حضرت مولانا فتح محمد تھانویؒ اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہم ہیں۔

خانقاہِ تھانہ بھون ابتداءً حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حافظ محمد ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا شیخ محمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض و برکات کا مرکز رہی، لیکن ۱۲۷۴ھ کے مشہور معرکۂ شاملی میں حضرت حافظ محمد ضامن صاحبؒ کی شہادت اور ۱۲۷۶ھ کو سید الطائفہ حضرت حاجی صاحبؒ کی مکہ مکرمہ ہجرت اور ۱۲۹۶ھ کو حضرت مولانا شیخ محمد تھانویؒ کی رحلت کے بعد اس ’’دکانِ معرفت‘‘ کی رونق میں کمی نظر آنے لگی تو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ (جو مدرسہ جامع العلوم کانپور میں

مدرس تھے) نے تدریس کا سلسلہ ترک کرکے اپنے شیخ عالی مقام حضرت حاجی امداداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت اور اپنے استاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کی تسلی وہمت افزائی پر عمل کرتے ہوئے ۱۳۱۵ھ کو خانقاہِ تھانہ بھون سے اصلاح وتزکیہ کا سلسلہ شروع فرماکر اس کی رونقوں کو نہ صرف یہ کہ بحال کردیا، بلکہ ان میں چار چاند لگادیئے، اور اس وقت سے اپنی زندگی کے آخری لمحہ (۱۳۶۲ھ) تک جو تقریباً نصف صدی پر محیط ہے اس خانقاہ میں تشریف فرما ہوکر وعظ ونصیحت اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ شریعت وطریقت، تزکیہ واصلاحِ اعمال کے انوار پھیلاتے رہے۔ راقم عرض کرتا ہے کہ: حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی کتابوں کے مطالعہ اور اپنے اساتذۂ کرام اور دیگر بزرگوں سے ان کے واقعات سننے سے مجھے بڑا فائدہ محسوس ہوا ہے، اس لیے ذاتی طور پر بھی میں ان کا بے حد معتقد وممنون ہوں۔

بہرصورت! دلی تمنا تو یہی تھی کہ گنگوہ وتھانہ بھون دونوں مقامات کی حاضری ہوجائے، لیکن مشکل یہ درپیش تھی کہ میرے پاس ''سہارنپور'' کا ویزا تو تھا جس کی بنیاد پر میں گنگوہ جاسکتا تھا، لیکن تھانہ بھون چونکہ ''مظفرنگر'' میں آتا ہے اور ''مظفرنگر'' کا ویزا نہیں تھا، اس لیے تھانہ بھون نہیں جاسکتا تھا، لہٰذا بادل ناخواستہ تھانہ بھون کا ارادہ ترک کرکے بتاریخ ۱۱/ ۷/ ۱۴۳۵ھ بروز اتوار جناب مولانا سید امجد مدنی صاحب اور دارالعلوم کے ایک طالب علم اور ایک ڈرائیور بھائی محمد یاسین صاحب کی معیت میں حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب مدظلہ کی گاڑی میں گنگوہ روانہ ہوا، دیوبند سے ۴۵ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع گنگوہ کا راستہ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے میں طے ہوا، سب سے پہلے حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب کے قائم کردہ دینی ادارے ''مدرسہ مدنیہ تعلیم القرآن'' کی زیارت کی جہاں ان کے صاحبزادۂ محترم جناب مولانا سید ازہر مدنی صاحب ناظمِ مدرسہ نے استقبال کیا اور اکرام سے بھی نوازا۔

مدرسہ مدنیہ تعلیم القرآن حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کے مزار کے بالکل قریب واقع ہے۔ حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم کی دوررَس اور حکیمانہ نگاہوں نے یہ محسوس کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قامعِ بدعت وناشرِ سنت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کے مزار کے ساتھ مستقبل میں جاہل عوام کی طرف سے رفتہ رفتہ بدعت کا سلسلہ شروع ہوجائے، لہٰذا انہوں نے مزار کے ساتھ ہی دینی مدرسہ قائم کرکے ایک طرف سے اس تاریخی بستی میں احیائے سنت کا سلسلہ برقرار رکھنے اور مزید پھیلانے کا انتظام فرمایا اور دوسری طرف حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کے مزار کو محتملہ بدعات وخرافات سے بچانے کا مضبوط ذریعہ قائم کردیا۔ جناب مولانا سید ازہر مدنی صاحب -جن کو طالب علمی کے زمانہ سے میں جانتا ہوں- نہایت اخلاص وحکمت کے ساتھ یہاں کام کررہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی دینی محنت کو قبول فرماکر مزید استقامت وحکمت سے مالا مال فرمائے۔

مدرسہ مدنیہ تعلیم القرآن کی زیارت اور حضرت مولانا سید ازہر مدنی صاحب کے ساتھ ناشتہ کرنے کے بعد حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پُرانوار پر حاضری دی جو بظاہر تو سادہ چبوترے پر

واقع ایک کچی سی قبر ہے، لیکن زائر کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہاں پر انوار و برکات کی بارش برس رہی ہے، کیونکہ آپ نے پوری زندگی احیائے سنت، سرکوبیِ بدعت اور دین پھیلانے میں بسر کی، اور تقویٰ وطہارت، ایثار و للّٰہیت اور صبر وتحمل کی ایسی مثالیں قائم کیں جن کی نظیریں خیر القرون کے بعد بمشکل مل سکتی ہیں۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر فاتحہ خوانی کے بعد میرے شیخ ومرشد فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہٗ کے عزیزوں سے ملاقات اور حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی (جن کا چند روز قبل انتقال ہوا تھا) کی تعزیت کے لیے ان کی رہائش گاہ پر حاضری دی اور جناب بھائی محمد سہیل صاحب، جناب بھائی جاوید صاحب اور جناب بھائی شاہد صاحب سے ملاقات کر کے تعزیت کی اور اس موقع پر حضرت فقیہ الامت قدس سرہٗ کے اس مکان کی بھی زیارت کی جو انہوں نے اپنی زندگی ہی میں کسی کو ہبہ کر دیا تھا اور اپنی ملکیت میں کسی قسم کی جائیداد یا مکان یا کوئی بھی کاروبار وغیرہ باقی نہیں رکھا تھا، اور انتقال کے وقت اپنے استعمال کے کپڑوں اور سفر کے مختصر سامان کے علاوہ ان کی ملکیت میں کچھ بھی نہیں تھا۔

حضرت فقیہ الامت قدس سرہٗ کے رشتہ داروں سے ملاقات کے بعد حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے، جو کہ بستی کے وسط میں واقع ہے۔ یہ وہ خانقاہ ہے جو حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد ویران ہو چکی تھی اور بعد میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ نے اسے آباد کر دیا اور اس میں درسِ حدیث واصلاح وتزکیہ کا کام شروع فرمایا اور اپنی وفات تک اسی میں جلوہ افروز رہے۔ خانقاہ کی زیارت کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مخصوص کمرے اور اس میں رکھا ہوا اُن کی طرف منسوب سامان (چارپائی، تپائی، چھڑی، پان دان) کی زیارت کا موقع بھی نصیب ہوا، اور خانقاہ کے احاطے میں واقع حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر فاتحہ پڑھنے کی سعادت بھی حاصل کی۔ البتہ شریعت سے ناواقف لوگوں کی طرف سے ان کی قبر کی پختگی اور اس پر موجود گنبد اور بعض دیگر بدعات کی موجودگی سے دل کو بڑا دکھ بھی ہوا اور وہاں پر زیادہ دیر لگانا مناسب نہیں معلوم ہوا اور جاتے وقت یہ تصور قائم رہا کہ کاش! حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار اور اس کا ماحول بھی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اور اس کے ماحول کی طرح سنت کے مطابق ہوتا اور ان کو روحانی اذیت پہنچانے کا یہ سلسلہ نہ ہوتا۔ اس موقع پر حضرت مولانا سید ارشد مدنی زید مجدہم کے قائم کردہ ''مدرسہ مدنیہ تعلیم القرآن'' کی ضرورت اور ان کے صاحبزادے جناب مولانا سید ازہر مدنی سلمہٗ اللہ جو حکمت کے ساتھ محنت کر رہے ہیں اس محنت کی اہمیت کا اندازہ بھی ہوا۔ گنگوہ کی اس مختصر زیارت سے فارغ ہو کر سکون واطمینان کی کیفیت کے ساتھ ظہر سے پہلے دیوبند واپسی ہوئی۔

اکابرینِ دارالعلوم کی طرف سے احقر کی ہمت افزائی اور احقر کو اپنی کم مائیگی کا احساس

مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کے اس مختصر قیام کے دوران اکابرین کی طرف سے احقر کی ایسی

ہمت افزائی اور ذرہ نوازی کی گئی جس کا میں اپنے آپ کو ہرگز مستحق نہیں سمجھتا تھا، حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب مدظلہم العالی کی طرف سے دعوت نامہ اور اس کی بنیاد پر اسپیشل ویزا ملنا، ایئرپورٹ پر احقر کے استقبال کے لیے مولانا محمد سراج صاحب کو اپنی مخصوص گاڑی سمیت بھیجنا، جمعیت کے دفتر میں احقر کا اعزاز ومہمان نوازی، دہلی سے دیوبند جانے اور واپس آنے کا انتظام، دیوبند و دہلی میں قیام کے دوران مسلسل مہمان نوازی، پھر دارالعلوم کے مہمان خانہ میں ایک وسیع و آرام دہ کمرہ میں قیام کا انتظام، اساتذۂ کرام کا احقر کو دعوتوں اور ہدایا سے نوازنا، مسجد چھتہ، مسجد قدیم اور مسجد رشید میں کبھی فجر اور کبھی مغرب کی نماز کے لیے احقر کو امام بنا دینا، اور جمعہ والے دن مسجد رشید میں جمعہ پڑھانے کے لیے احقر کو دفتر اہتمام کا پیغام موصول ہونا، اور حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند دامت برکاتہم کا تحریری طور پر خصوصی اجازت نامۂ حدیث مرحمت فرمانا (جو اس سفر کا ایک ناقابل فراموش اور سب سے اہم اعزاز ہے) ان تمام امور اور اپنی حقیقت کو سامنے رکھ کر مجھے سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۴۲۱ھ) کے غلام ''ایاز'' کا مندرجہ ذیل واقعہ یاد آیا اور اپنے آپ کو مخاطب کر کے دل میں بار بار کہا: ''ایاز! قدرِ خود رابشناس'' واقعہ کی تفصیل یہ ہے:

''ایاز سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک غلام تھا جس پر سلطان کی خصوصی نظرِ عنایت وشفقت تھی، دوسرے اہل دربار ومقربین اس سے حسد کرنے لگے اور ان کے خلاف کسی موقع کی تلاش میں رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ان حاسدین نے سلطان سے عرض کیا کہ حضور! آپ اس غلام پر بڑا اعتماد اور خصوصی عنایت فرماتے ہیں، جب کہ ہمیں اس کے بارہ میں شکوک وشبہات ہیں، اس لیے کہ ہم نے بار بار دیکھا ہے کہ وہ مجلسِ شاہی کو چھوڑ کر اپنے خلوت خانہ میں جاتا ہے اور وہاں کچھ دیر ٹھہر کر باہر چلا آتا ہے، کچھ پتا نہیں کہ وہ خلوت میں کیا کرتا ہے؟ حضور کو اس کی تحقیق کر لینی چاہیے۔ سلطان کو بھی فکر لاحق ہوئی کہ واقعی تحقیق تو کر لینی چاہیے کہ وہ اس تنہائی میں کیا کرتا ہے؟ چنانچہ ایک مرتبہ ایاز اس خلوت خانہ میں جانے لگا تو سلطان بھی اس کے پیچھے تھوڑی دیر کے بعد پہنچے، دیکھتے ہیں کہ وہاں ایک پرانی سی گدڑی رکھی ہوئی ہے، ایاز اس کے سامنے کھڑے ہوکر یہ جملہ بار بار دُہرا رہا ہے: ''ایاز! قدرِ خود رابشناس'' جب وہ اپنے اس عمل سے فارغ ہوا تو سلطان نے اس سے پوچھا کہ تم یہاں کیا کرتے ہو؟ اور اس جملہ کا مطلب کیا ہے؟ ایاز نے عرض کیا کہ میرے محسن! میں جب شروع شروع میں آپ کے دربارِ عالی میں حاضر ہوا تھا اس وقت میری کوئی حیثیت نہیں تھی اور میرے جسم پر یہی گدڑی تھی، لیکن آپ کی خصوصی عنایات نے مجھے کہاں تک پہنچا دیا؟ یہ آپ خود جانتے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ اس گدڑی کے سامنے کھڑے ہوکر اپنی حیثیت وحقیقت کو یاد کرتا رہوں اور اپنا ماضی پیشِ نظر رہے، تاکہ دماغ خراب نہ ہوجائے اور عُجب وخودفریبی میں مبتلا نہ ہوجاؤں''۔

احقر نے بھی اپنی مادرِ علمی کے اندر مذکورہ اعزاز کو دیکھ کر اپنا ماضی اور اپنی حیثیت وحقیقت اور بالخصوص ایک واقعہ کو یاد کیا، واقعہ یہ تھا کہ ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء کو پڑھنے کی غرض سے جب احقر نے پہلی بار دارالعلوم دیوبند کی طرف سفر کا آغاز کیا، اور ایک طویل و بامشقت سفر کے بعد بالآخر ایک پیسنجر ٹرین کے ذریعہ آدھی رات کو دیوبند ریلوے اسٹیشن پر بے سروسامانی کی حالت میں اُترا اور وہاں سے سائیکل رکشہ کے ذریعہ صدر گیٹ دارالعلوم دیوبند پہنچا تو دل بہت ہی خوش ہو رہا تھا کہ منزلِ مقصود آ گئی ہے اور ارادہ یہ تھا کہ اندر جا کر مسجدِ دارالعلوم میں عشاء کی نماز (جو پیسنجر ٹرین میں زیادہ رش کی وجہ سے نہیں پڑھ سکا تھا) ادا کروں اور اس بات پر کہ طویل و بامشقت سفر کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی منزلِ مقصود تک پہنچا دیا ہے شکرانہ کی دو رکعت نماز بھی ادا کروں اور پھر صبح اپنے داخلے کی کوشش کروں، لیکن میری حیثیت یہ تھی کہ مجھے اس کا اہل بھی نہ سمجھا گیا کہ گیٹ پر مقرر دربان مجھے اندر جانے کی اجازت دے، مجھ سے پوچھنے لگے کہ کہاں سے آئے ہو؟ اور کس مقصد کے لیے اندر جانا چاہتے ہو؟ میں نے اردو زبان سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے بڑی مشکل سے ان کو یہ جواب دیا کہ ایک مسافر طالب علم ہوں، کافی دور سے دارالعلوم میں پڑھنے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں، کہنے لگے کہ: پھر صبح آ جاؤ، میں نے عرض کیا کہ میں یہاں کی گلیوں سے ناواقف ہوں اور عشاء کی نماز بھی نہیں پڑھی ہے، براہِ کرم! مجھے مسجد جانے کی اجازت دیجئے، بڑی مشکل سے انہوں نے اندر جانے کی اجازت دی اور گیٹ کے قریب ہی اندر کی طرف واقع ''مسجد قدیم'' کا راستہ بھی بتا دیا، نماز سے فارغ ہونے کے بعد سفر کی تکان اتارنے اور تھوڑی دیر کے لیے آرام کی غرض سے لیٹنا چاہ رہا تھا، لیکن ناواقفیت کی وجہ سے کہاں جاتا اور کہاں آرام کرتا؟ مسجد کے سجدہ گاہ والے حصہ میں لیٹنا مناسب نہیں معلوم ہو رہا تھا، آخر میں مسجد کے اندر والے حصے اور صحن کے درمیان واقع سیڑھیوں کا انتخاب کیا، اس لیے کہ یہ حصہ اگرچہ مسجد ہی کا حصہ تھا کم از کم سجدہ گاہ تو نہیں تھا، لہٰذا فجر کی اذان تک اپنی ایک پرانی سی صدری (گدڑی) سر کے نیچے رکھ کر انہی سیڑھیوں پر لیٹا رہا۔

بہرصورت! موجودہ سفر میں اپنی مادرِ علمی اور اساتذۂ کرام و اکابر کی طرف سے احقر کی ہمت افزائی و ذرہ نوازی کو دیکھ کر اپنی گدڑی اور اپنے ماضی کو یاد کیا اور ایاز والے قصے کو اپنے اوپر منطبق پا کر ان ہی کا وظیفہ ''ایاز! قدرِ خود را بشناس'' دل دل میں دُہراتا ہوا اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے اپنی حقیقت و ماضی کی گدڑی سے کبھی غافل نہ فرما اور خودفریبی سے محفوظ فرما۔

احقر کے پاس صرف پندرہ دن کا ویزا تھا، ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ یہ پندرہ دن چند لمحات میں گزر گئے اور بروزِ منگل ۲۰/۷/۱۴۳۵ھ مطابق ۲۰/۵/۲۰۱۴ء اس دعا کے ساتھ پاکستان واپسی ہوئی کہ اے اللہ! صحت و عافیت کے ساتھ بار بار مادرِ علمی اور وہاں کے بزرگوں کی زیارت کا موقع عنایت فرماتے رہیے۔ (آمین)

مرا امیدِ وصالِ تو زندہ میدارد
وگرنہ ہر دم از ہجرِ تُست بیم ہلاک

www.banuri.edu.pk

جاوید احمد غامدی

سیاق وسباق کے آئینہ میں (دسویں قسط)

مولانا فضل محمد یوسف زئی

موسیقی کی حرمت وممانعت پر چند احادیث

ا:......''عن عبدالرحمٰن بن غنم قال: حدثنی أبو عامر أو أبو مالک الأشعری رضی اللّٰہ عنہ أنہ سمع النبی ﷺ یقول : لیکونن من أمتی أقوام یستحلون الحر والحریر والخمر والمعازف ۔'' (رواہ البخاری فی الاشربۃ)

''حضرت عبدالرحمٰن بن غنمؒ سے روایت ہے کہ مجھے ابوعامر یا ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ عنقریب میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور باجوں کو حلال سمجھیں گے۔''

۲:......''عن علی بن أبی طالب رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: إذا فعلت أمتی خمس عشرۃ خصلۃ حلت بھم البلاء وفیہ واتخذ القیان والمعازف ۔'' (رواہ الترمذی)

''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جب میری امت پندرہ چیزوں کی عادی ہوجائے تو اس پر مصائب نازل ہوں گے۔ آنحضرت ﷺ نے ان پندرہ چیزوں میں ایک یہ بھی بتائی کہ جب مغنیہ عورتیں اور باجے رواج پکڑ جائیں۔''

۳:......''عن عبداللّٰہ بن عمر رضی اللہ عنہ أن النبی ﷺ قال: إن اللّٰہ حرم الخمر والمیسر والکوبۃ والغبیراء وکل مسکر حرام ۔'' (رواہ احمد وابوداؤد)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے شراب، جوا، طبل اور طنبور کو حرام کیا ہے، نیز ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔''

۴:......''عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: الکوبۃ حرام والدن حرام والمزامیر حرام۔'' (رواہ احمد)

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرمایا: طبل حرام ہے، شراب حرام ہے اور

بانسریاں باجے حرام ہیں۔‘‘

۵:......’’عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: استماع الملاهی معصیة والجلوس علیها فسق والتلذذ بها کفر۔‘‘ (نیل الاوطار، ج:۸،ص:۱۰۰)

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: گانا باجا سننا گناہ ہے، اس کے لیے بیٹھنا فسق ہے اور اس سے لطف اندوز ہونا کفر ہے۔‘‘

۶:......’’عن علی رضی اللہ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: بعثت بکسر المزامیر۔‘‘ (حوالہ بالا)

’’حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: میں موسیقی کے آلات توڑنے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔‘‘

۷:......’’عن عمر رضی اللہ عنہ مرفوعاً: ثمن القینة سُحت وغناء ها حرام۔‘‘ (رواہ الطبرانی)

’’حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مرفوعاً مروی ہے: مغنیہ کی اجرت اور اس کا گانا دونوں حرام ہیں۔‘‘

۸:......’’عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: الغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء البقل۔‘‘ (ابوداود و بیہقی)

’’حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: گانا دل میں اسی طرح نفاق پیدا کرتا ہے جس طرح پانی سبزہ کو اُگاتا ہے۔‘‘ (ابوداود)

۹:......’’عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: حب الغناء ینبت النفاقَ فی القلب کما ینبت الماءُ العشبَ۔‘‘ (أخرجه الدیلمی)

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: گانے کی محبت دل میں اسی طرح نفاق پیدا کرتی ہے جس طرح پانی گھاس اور سبزہ اُگاتا ہے۔‘‘

۱۰:......’’عن أنس رضی اللہ عنہ أن رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم قال: من قعد إلٰی قینة یستمع منها صب اللّٰه فی أذنیه الآنک یوم القیامة۔‘‘ (رواہ السیوطی فی جامع الصغیر)

’’حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی مغنیہ باندی کا گانا سنے قیامت کے دن اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔‘‘

۱۱:......’’عن أنس وعائشة رضی اللہ عنہما أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: صوتان ملعونان فی الدنیا والأخریٰ: مزمار عند نغمة ورنة عند مصیبة۔‘‘ (رواہ البزار والبیہقی وابن مردویہ وکنز العمال)

’’حضرت انس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما دونوں سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو قسم کی آوازیں ایسی ہیں جن پر دنیا وآخرت میں لعنت کی گئی ہے، ایک تو خوشی کے موقع پر باجے کی آواز اور دوسرے مصیبت کے موقع پر آہ وبکا اور نوحہ کی آواز۔‘‘

۱۲:......’’**وعن أبی أمامة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم: ما رفع أحد صوته بغناء إلا بعث اللّٰہ علیه شیطانین یجلسان علی منکبیه یضربان بأعقابهما علٰی صدرہٖ حتی یمسک۔**‘‘ (رواہ ابن ابی الدنیا وابن مردویہ ورواہ الطبرانی باسانید وثق البعض وضعف البعض)

’’حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بھی کوئی شخص گانے کے لیے آواز بلند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس دو شیطانوں کو بھیج دیتا ہے جو اس کے کندھے پر بیٹھ کر اپنی ایڑیاں اس کے سینے میں مارتے رہتے ہیں، تاوقتیکہ وہ خاموش ہوجائے۔‘‘

۱۳:......’’**وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھٰی عن الغناء والاستماع إلی الغناء۔**‘‘ (رواہ الطبرانی)

’’حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گانا گانے اور گانا سننے سے منع فرمایا ہے۔‘‘

مذکورہ بالا تمام احادیث علامہ ابن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب ’’**کف الرعاع**‘‘ میں نقل کی ہیں اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ’’اسلام اور موسیقی‘‘ میں اس کو شامل کیا ہے، اس میں کل بتیس احادیث ہیں، میں نے صرف تیرہ کو لیا ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے کل ۴۲؍احادیث کو نقل کیا ہے۔ ان بتیس احادیث میں جو ضعیف ہیں ان کی طرف بھی مفتی صاحبؒ نے اشارہ کیا ہے۔ آخر میں حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ ان احادیث کی روشنی میں موسیقی اور مسئلہ غناء پر اس طرح تبصرہ فرماتے ہیں:

’’ان بتیس احادیث اور ان کی تحقیق وتخریج پر نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اباحتِ غناء ومزامیر کے دعویداروں کا یہ خیال درست نہیں کہ گانے باجے کی حرمت پر دلالت کرنے والی کوئی حدیث بھی صحیح سند سے مروی نہیں ہے، کیونکہ گزشتہ اوراق میں کئی احادیث ایسی بھی گزری ہیں جن کی صحت نہایت واضح ہے۔‘‘ (اسلام اور موسیقی، ص:۱۵۶)

غامدی صاحب مانیں یا نہ مانیں، میں نے موسیقی کے حوالہ سے قرآن وحدیث کی بہت ساری نصوص کو اس لیے جمع کیا ہے، تاکہ کوئی عالم یا طالب علم یا عام مسلمان ان سے فائدہ اٹھائیں، کیونکہ موسیقی سے متعلق ایک جگہ پر کافی ذخیرہ اکٹھا ہوگیا ہے، ان شاء اللہ! فائدہ ہوگا۔

موسیقی کی حرمت پر صحابہؓ اور سلف صالحینؒ کے اقوال

۱:......حضرت قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول

’’**قال القاسم بن محمد: الغناء باطل والباطل فی النار، (وقال:) لعن اللّٰہ المغنی والمغنی له۔**‘‘ (تفسیر قرطبی، ج:۱۴، ص:۹۵۲)

’’قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: باجے باطل کام ہے اور ہر باطل دوزخ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ

www.banuri.edu.pk

گانے والے اور جس کے لیے گایا جائے دونوں پر لعنت بھیجتا ہے۔''

۲:......حضرت یزید بن ولید رحمۃ اللہ علیہ کا قول

''یا بنی أمیة إیاکم والغناء فإنه ینقص الحیاء ویزید فی الشهوة ویهدم المروة وإنه لینوب عن الخمر ویفعل ما یفعل المسکر فإن کنتم لابد فاعلین فجنبوه النساء فان الغناء داعیة الزنا۔'' (حوالہ بالا)

''اے بنوامیہ! تم گانے سے بچو، کیونکہ یہ شرم وحیاء کو گھٹاتا ہے اور شہوت کو بڑھاتا ہے اور اخلاق ومروت کو ختم کر کے گراتا ہے اور یہ گانا شراب کا نائب ہے اور یہ نشہ کا کام کرتا ہے، اگر تم اس سے بچ نہیں سکتے تو کم ازکم عورتوں کو اس سے دور رکھو، اس لیے کہ گانا زنا کا محرک اور داعی ہے۔

۳:......حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول

''الغناء منفدة للمال ، سخطة للرب ، مفسدة للقلب۔'' (حوالہ بالا)

''گانا مال کو ختم کرتا ہے، رب کو ناراض کرتا ہے اور دل کو بگاڑتا ہے۔''

۴:......حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا قول

''ماغنیت ولا تمنیت ولامسست ذکری بیمینی منذ بایعتُ رسولَ اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم۔''

(عوارف المعارف للامام السہروردیؒ)

''جب سے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ہے، نہ میں نے کبھی گانا گایا ہے، نہ اس کی تمنا کی ہے اور نہ اپنی شرمگاہ کو داہنے ہاتھ سے چُھوا ہے۔''

۵:......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول

بیہقی میں ایک روایت ہے کہ: ''ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا گزر ایک بچی کے پاس سے ہوا جو بیٹھی ہوئی تھی اور گانا گا رہی تھی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اُسے دیکھ کر فرمایا:

''لو ترک الشیطٰن أحدًا لترک هٰذهٖ۔'' (بیہقی، ج:۱۰، ص:۲۲۳)

''یعنی اگر شیطان کسی کو گمراہ کیے بغیر چھوڑتا تو اس بچی کو ضرور چھوڑ دیتا (لیکن وہ کسی کو نہیں چھوڑتا، خواہ معصوم بچی کیوں نہ ہو)۔''

۶:......حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول

''احذروا الغناءَ فإنهُ من قبل إبلیس وهو شرک عند اللّٰه ، ولا یغنی إلا الشیطٰن۔'' (عمدۃ القاری، ج:۳، ص:۳۵۹)

’’حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: گانے سے بچو، اس لیے کہ وہ ابلیس کی طرف سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرک جیسا گناہ ہے اور گانا شیطان کے سوا کوئی نہیں گاتا۔‘‘

۷: ......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول

’’حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی کے گھر ایک گویّے کو دیکھا جس کے بڑے بڑے بال تھے اور جھوم جھوم کر گانا گا رہا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

’’أف ! شیطان أخرجوہ أخرجوہ أخرجوہ۔‘‘ (سنن کبریٰ بیہقی، ج:۱۰، ص:۲۲۴)

’’حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اف ! یہ تو شیطان ہے، اسے گھر سے نکالو، اسے گھر سے نکالو، اسے گھر سے نکالو۔‘‘

۹: ......حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کا قول

’’إنی لأبغض الغناء وأحب الرجز۔‘‘ (مصنف عبدالرزاق، ج:۱۱، ص:۶)

’’میں گانے سے نفرت کرتا ہوں اور میدانِ جنگ میں بہادری کے رجز کے اشعار کو پسند کرتا ہوں۔‘‘

۱۰: ......حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

’’الغناء ینبت النفاق فی القلب۔‘‘ (تفسیر السراج المنیر، ج:۳، ص:۱۸۱) ’’وقال کنا نتتبع الأزقۃ نخرق الدفوف من أیدی الصبیان۔‘‘ (الامر بالمعروف والنہی عن المنکر، ص:۱۴۸)

’’یعنی گانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے، آپ نے یہ بھی فرمایا: ہم گلیوں میں تلاش کر کے بچوں کے ہاتھوں سے دف چھینتے اور پھاڑ دیتے تھے۔‘‘

۱۱: ......حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا قول

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ جو صوفیائے کرام کے امام ہیں، ان کا مشہور مقولہ ہے:

’’الغناء رقیۃ الزنا‘‘ ’’یعنی’’ گانا بجانا زنا کا منتر ہے۔‘‘ (المصنوع:۹۵)

ایک حقیقت کی طرف اشارہ

موسیقی، غنا، مزامیر اور معازف وملاھی کے جو الفاظ ہیں، اس سے تو معروف باجے مراد ہوتے ہیں، اس کی حرمت میں تو غامدی صاحب کے علاوہ کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے، کیونکہ واضح آیات اور اس کی تفسیرات اور احادیث مقدسہ کی روایات میں اس کے حرام ہونے کو کھول کر بیان کیا گیا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ’’اسلام اور موسیقی‘‘ میں لکھتے ہیں کہ یاد رکھنا چاہیے کہ ’’معازف‘‘ ان باجوں کو کہا جاتا ہے جو منہ سے بجائے جاتے ہیں اور ملاھی ان آلات کو کہا جاتا ہے جو

ہاتھوں سے بجائے جاتے ہیں۔ ائمہ اربعہ باتفاق ان کی حرمت کے قائل ہیں، البتہ ولیمہ، سحری یا کسی اور غرض صحیح کے لیے ''ڈھول''، ''دف'' کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔ (اسلام اور موسیقی، ص:۱۶۲)

بندہ عاجز کہتا ہے کہ مباحث غناء اور موسیقی میں ایک اور لفظ آتا ہے جس کو ''سماع'' کہتے ہیں، اس لفظ سے موسیقی کے مباحث میں ایک التباس پیدا ہوجاتا ہے، اس لیے کہ فقہاء ''سماع'' کی اباحت میں اختلاف نقل کرتے ہیں تو ناواقف آدمی سمجھتا ہے کہ کہیں موسیقی کے جواز اور عدم جواز میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ موسیقی، مزامیر، معازف اور طبلے باجوں کے ساتھ گانے بجانے کو کسی قابل اعتماد شخص نے کبھی جائز نہیں کہا ہے، البتہ ''سماع'' ایک ایسا عمل ہے جس میں دل نرم کرنے والے اشعار پڑھے جاتے ہیں، آخرت کے یاد کرنے کے مضامین ہوتے ہیں، اس میں طبلے، باجے، ڈھول، ڈھولک، آرمونیم کے آلات نہیں ہوتے ہیں، صرف دف ہوتا ہے۔ سماع میں بھی علماء تصوف نے سخت شرائط رکھی ہیں، پھر یہ بھی جمہور کا فیصلہ نہیں ہے، جمہور علماء وصلحاء مطلقاً سماع کا انکار کرتے ہیں اور اس پر نکیر کرتے ہیں، البتہ اہل تصوف کا ایک مختصر طبقہ چند شرائط لگا کر سماع کا قائل ہے، وہ شرائط یہ ہیں:

۱:.....جب صرف جدوجہد اور جوش پیدا کرنے والے اشعار ہوں۔

۲:.....جب بے ریش لڑکوں سے اختلاط نہ ہو اور نہ ان سے اشعار پڑھوائے جارہے ہوں۔

۳:.....اس محفل میں عورت ذات کا وجود بالکل نہ ہو۔

۴:.....کسی قسم کا طبلہ باجا ساتھ نہ ہو۔

۵:..... یادِ آخرت اور تذکرۂ حبیب کے لیے ہو، اس میں قبیح اشعار بالکل نہ ہوں۔

۶:.....سننے والے ریاکار، بدکار، دنیوی اغراض والے نہ ہوں۔

۷:.....اجرت پر محفل سماع قائم نہ ہو اور نہ پڑھنے والا اُجرت لیتا ہو۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

''سماع کی ناقص کو اجازت نہیں، کامل کو ضرورت نہیں۔'' (توضیحات، ج:۷، ص:۳۰)

بہرحال اس طرح خالص سماع آج کل کہاں ہے اور شرائط کہاں ہیں اور ایسے خالص لوگ کہاں ہیں؟!

پھر بھی سماع کا تعلق موسیقی سے نہیں ہے، دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

موسیقی اور مجرد اشعار گانے میں فرق نہ کرنے سے بھی دونوں میں التباس آتا ہے، علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ ذاتی وحشت دور کرنے کے لیے یا ادبی مہارت پیدا کرنے کے لیے مجرد اشعار کا گانا جائز ہے جس میں نہ چنگ ہو، نہ ستار ہو، نہ رباب ہو، نہ طبلہ ہو، نہ باجا ہو، نہ آرمونیم ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین ومجاہدین نے جو اشعار گائے ہیں وہ اسی قسم کے اشعار تھے، اس کو کوئی بھی انصاف پسند ذی شعور آدمی موسیقی نہیں کہہ سکتا ہے۔ **(جاری ہے)**

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا احسانی وعرفانی مقام

(پہلی قسط)

جناب محمد ظفر اقبال

شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی اتنی ہمہ جہات اور متنوع اوصاف وکمالات سے مملو ہے کہ اگر ان کی بابرکت زندگی کے کسی ایک ہی گوشے کو موضوع بنا کر اس پر لکھا جائے تو مختلف عنوانات پر ایک ایک بسیط مقالہ تیار ہوسکتا ہے۔ اس حقیقت کے برعکس یہ بات بھی بہت قابلِ مشاہدہ ہے کہ آزادئ ہند کی مختلف تحریکات میں قائدانہ اور جاں فروشانہ شمولیت نے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم شخصیت کو جہاد، سیاسیات اور تحریکات میں قیادت کا استعارہ بنا دیا ہے۔ بلاشبہہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی میدانِ جہاد وتحریکات میں خدمات اس لائق ہیں کہ منصب امامت اور نقش ہدایت کے لیے برِعظیم میں سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بعد اگر کسی شخصیت کا نام لیا جاسکتا ہے تو وہ بجا طور پر صرف شیخ الہند محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جہاں اس تکرار وگردان اور تحقیق وتفتیش نے میدان جہاد، تحریکات، زندان واسیری کے ایام میں شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی حیات کے تقریباً ہر گوشے کو منظر عام پر لاکر اس باب میں اتباع کی بڑی راہ فراہم کی ہے اور اخلاف کو سلف کے طریق جہاد وسیاست کی ایک محفوظ راہ دکھائی ہے، وہیں اس عمل اور رویّے سے لاشعوری طور پر ہی سہی لیکن شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے بہت سے باطنی، احسانی، عرفانی، اخلاقی، سماجی اور تعلیمی پہلو نظر انداز ہوگئے ہیں، یا اس طرح واضح ہوکر منصۂ شہود پر نہیں آسکے کہ ان سے بلا تحقیق وتفحص رہ نمائی لی جاسکے۔ اس بات میں کوئی مبالغہ نہیں کہ اگر شیخ الہندؒ کی زندگی کا بہ نظرِ اِمعان مطالعہ کیا جائے تو آپؒ کی شخصیت علم وفضل، درس وتدریس، افتاوتصنیف، مناظرے ووعظ اور سلوک وعرفان میں بھی جہادی اور تحریکی سرگرمیوں ہی کی طرح جامع اور منصب امامت پر فائز نظر آئے گی۔

استحضارِ الٰہی اور جذبۂ عبودیت: لازمۂ احسان

زیرِ نظر تحریر میں شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے احسانی وعرفانی مقام کا ایک اجمالی جائزہ مقصود ہے۔ احسان وعرفان سے مراد وہ مواجید واحوال نہیں جنہیں فی زمانہ عرفان واحسان کا لازمہ باور کیا جاتا ہے، اگرچہ وسائل اور ذرائع کے درجے میں ان کی اہمیت سے انکار نہیں، لیکن یہاں احسان سے مراد بندگی کی وہ

خاص اور متعین صورت ہے جو انسان کی کل زندگی کا احاطہ کر کے اس میں استحضارِ خداوندی اور جذبۂ عبودیت کو پیدا کر دیتی ہے۔ یہی عبودیت یا بندگی تمام تر فضائل واحسان کی بنیادی صفت ہے۔ غور کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے القاب میں سب سے بڑا لقب ''عبد'' ہے اور عارفین نے سب سے بڑا مقام ''عبدیت'' ہی کا بتلایا ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ شبِ معراج اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کو کون سا لقب ووصف سب سے زیادہ پسند ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عبدیت''، اسی لیے سورۂ اسراء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی پسند کردہ لقب نازل ہوا۔ (۱)

بندگی کا جذبہ اگر ذہن، ارادے اور طبیعت میں راسخ ہو جائے تو زندگی کا ہر میلان، ہر فعل اور ہر تأثر بندگی کی کیفیت سے معمور ہو جاتا ہے اور عبودیت اور استحضارِ الٰہی انسان کا ''حال'' بن جاتی ہے۔ انسان نیت، ارادے، شعور اور عمل ہر سطح پر تفویض اور سپردگی کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ اسی استحضارِ الٰہی کے مراقبے اور خوشنودئ رب کی جستجو کو عارفین ''اخلاص'' سے تعبیر کرتے ہیں، جس سے انسان کے ذاتی اوصاف میں اگر ایک طرف خاک ساری وخود احتسابی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے تو دوسری جانب اس کے اعمال واحوال میں برکت اور تھوڑے عمل کی بڑی جزا مرتب ہوتی ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''رب اشعث مدفوع بالأبواب لو أقسم علیٰ اللّٰہ لأبرہٗ۔'' (۲)

''بہت سارے پریشان حال، پراگندہ حال، گرد وغبار سے اَٹے ہوئے بالوں والے ایسے ہیں جنہیں دروازوں پر دھکیلا جائے، مگر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اعتماد پر اگر وہ قسم کھا بیٹھیں تو اللہ ان کی قسم کو سچا کر دکھائے۔''

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ: ذات اور علم کی عینیت

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا درسِ حدیث ہندوستان میں معروف تھا، چالیس سال تک آپ نے دارالعلوم دیوبند کی مسندِ تدریس سے ''قال اللّٰہ وقال الرسولؐ'' کی صدائے دل نواز لگائی۔ آپ کی زبردست شخصیت کے باعث دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کے طلبہ کی تعداد ۲۰۰ ر تک پہنچ گئی۔ آپ کے زمانے میں ۸۶۰ ر طلبہ نے حدیث نبویؐ سے فراغت حاصل کی۔ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ نگار آپ کے درس کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حلقۂ درس دیکھ کر سلف صالحین واکابر محدثین کے حلقۂ حدیث کا نقشہ نظروں میں پھر جاتا تھا۔ قرآن وحدیث حضرت کو اَزبر تھے اور ائمہ اربعہ کے مذاہب زبان پر۔ صحابہؓ وتابعین، فقہاء ومجتہدین کے اقوال محفوظ۔ تقریر میں نہ گردن کی رگیں پھولتی تھیں، نہ منہ میں کف آتا تھا، نہ مغلق الفاظ سے تقریر کو ادق اور بھدی بناتے تھے۔ نہایت سبک اور سہل الفاظ با محاورہ اردو میں اس روانی اور تسلسل سے تقریر فرماتے کہ معلوم ہوتا تھا دریا اُمنڈ رہا ہے۔ یہ کچھ مبالغہ نہیں ہے۔ اب

بھی کئی دیکھنے والے موجود ہوں گے کہ وہی منحنی جسم اور منکسر المزاج ایک مشت استخوان، ضعیف الجثہ مرد خدا جو نماز کی صفوں میں ایک معمولی مسکین طالب علم معلوم ہوتا تھا اور بارہا مسجد کے فرش پر بلا کسی بستر کے لیٹا ہوا نظر آتا تھا، مسند درس پر تقریر کے وقت یوں معلوم ہوتا تھا کہ ایک شیر خدا ہے، جو قوت وشوکت کے ساتھ حق کا اعلان کر رہا ہے۔" (۳)

معروف مستشرقہ باربرا مٹکاف [Barbara Metcalf] آپ کی تدریسی خصوصیات کے متعلق لکھتی ہیں:

"He was a man of extraordinary energy, teaching ten lessons each day, writing, caring for Muhammad Qasim in his final illness. He was devoted to the school and resisted all invitations to leave it. His fame was especially great in hadith; and his biographer notes, in the course of his career he taught over a thousand students from such distant places as Kabul, Qandahar, Balkh, Bukhara, Mecca, Medina and Yeman. Among them were Anwar Shah Kashmiri, Shabir Ahmed Osmani and Hafiz Muhammad Ahmad, the Leaders of the third generation of ulama at the school." (4)

حافظے اور استحضار کا یہ عالم تھا کہ:

"شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ کتابیں دھوپ میں رکھنے کے لیے باہر نکالیں، اتفاق سے میبذی کے کچھ ورق پھٹ گئے، حضرت نے ایک طالب علم سے کہا: اس کو لکھ لو، اس نے کہا: کیسے لکھوں؟ میرے پاس وہ کتاب ہی نہیں۔ فرمایا، اچھا! سال گزشتہ پڑھی، امسال بھول گئے؟ پھر فرمایا: اچھا لکھو، میں بولتا ہوں، چنانچہ زبانی لکھوا دیا"۔ (۵)

اس مقام پر یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ حافظے اور استحضار کی لیاقت عارفین کی تصریحات کے مطابق حلال رزق اور نظروں کی حفاظت سے مشروط ہے، جس سے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ پوری طرح بہرہ یاب تھے۔ علم اور شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ میں اسی عینیت کو آپ کے شیخ ومربی مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مختصر سے فقرے میں سمیٹ کر بیان کر دیا ہے کہ: "محمود علم کا کھٹلا ہے"۔ (۶)

علم وفضل کی یہ لیاقت اور درس وتدریس کی اس شان کے باوجود شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی بے نفسی اور فنائیت ایسی تھی کہ خود فرماتے ہیں:

"میں بارہا گنگوہ حاضر ہوا اور جی میں بھی آیا کہ حضرت مولانا [گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ] سے عرض کر دوں کہ مجھے بھی حدیث کی سند دے دیجیے، لیکن کبھی اس درخواست کی ہمت نہ پڑی۔ جب اس نیت سے گیا تو یہی خیال ہوا کہ تو یہ تمنا لے کر تو جاتا ہے، لیکن تجھے کچھ آتا جاتا بھی

ہے؟ بارہا خیال ہوا کہ عرض کروں کہ سب کو حضرت سند دیتے ہیں، مجھے بھی سند دیجیے، مگر پھر خیال ہوا کہ مولانا پوچھ بیٹھیں کہ تجھے کچھ آتا بھی ہے، جو سند لیتا ہے؟ تو کیا جواب دوں گا! اس لیے کبھی درخواست کی ہمت نہ ہوئی‘‘۔ (۷)

چلیے تھوڑی دیر کے لیے استاذ اور شیخ کے سامنے، اور وہ بھی مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جیسے استاذ و شیخ کے روبہ رو اس خاک ساری کی توجیہ کی جاسکتی ہے، لیکن مولانا محمد شاہ رام پوری رحمۃ اللہ علیہ تو معاصر تھے، ان کے سامنے خاکساری کا اظہار! واقعہ ملاحظہ فرمائیے! یہ وہی شخص کرسکتا ہے جس کا نفس مزکی ہو چکا ہو۔ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

’’ثقات سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ مرادآباد میں وعظ کی درخواست کی گئی، بہت کچھ عذر کے بعد منظور فرمایا اور بیان شروع ہوا۔ حدیث یہ تھی: ’’فقیه واحد أشد علی الشیطٰن من ألف عابد‘‘ کے ترجمے کا حاصل ’’بھاری‘‘ لفظ سے فرمایا (کہ ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے) مجلس میں ایک پرانے عالم تھے جو محدث کے لقب سے معروف تھے، انہوں نے کھڑے ہوکر فرمایا کہ: ’’أشــــد‘‘ کا ترجمہ غلط کیا گیا، ایسے شخص کو وعظ کہنا جائز نہیں۔ تو مولاناؒ بے ساختہ کیا فرماتے ہیں کہ حضرت! مجھ کو تو پہلے سے معلوم ہے کہ مجھ جیسے شخص کو وعظ کہنا جائز نہیں اور میں نے ان صاحبوں سے اسی واسطے عذر بھی کیا تھا، مگر انہوں نے مانا نہیں، اب بہت اچھا ہوا حضرت کے ارشاد سے بھی میرے عذر کی تائید ہوگئی اور بیان سے بچ گیا۔ حاضرین کو تو جس قدر ناگواری ہوئی اس کا کچھ پوچھنا نہیں، دانت پیستے تھے کہ یہ کیا لغو حرکت تھی۔ گو مولاناؒ نے بجائے ناگوار سمجھنے کے یہ کمال کیا کہ نہایت سکون کے ساتھ ان کے پاس جاکر ان کے سامنے ادب سے بیٹھ کر نہایت نیاز مندی کے لہجے میں ارشاد فرمایا کہ: حضرت! غلطی کی وجہ معلوم ہوجائے تو آئندہ احتیاط رکھوں۔ انہوں نے کڑک کر فرمایا کہ: ’’أشد‘‘ کا ترجمہ آپ نے ’’أثقل‘‘ سے کیا یہ کہیں منقول نہیں، ’’أضـر‘‘ سے کرنا چاہیے۔ مولاناؒ نے فرمایا: اگر کہیں منقول ہو تو؟ انہوں نے کہا: کہاں ہے؟ مولاناؒ نے فرمایا: حدیثِ وحی میں ہے، کسی نے پوچھا: ’’کیف یـأتیک الوحي؟‘‘ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نزولِ وحی کی کیفیت کیا ہوتی تھی؟) جواب میں ارشاد ہوا: ’’یـأتینـي أحیـانا مثل سلسلة الجـرس وهـو أشـدہٗ عَلَيَّ‘‘ (کبھی وحی مجھ پر گھنٹیوں کی آواز کی طرح آتی ہے اور وہ مجھ پر سب سے زیادہ بھاری ہوتی ہے) اور ظاہر ہے کہ یہاں ’’أضـر‘‘ (زیادہ نقصان دہ) کے معنی ممکن نہیں، ’’أثقل‘‘ (زیادہ بھاری) ہی کے معنی صحیح ہوسکتے ہیں۔ بس! یہ سن کر ان کا تو رنگ فق ہوگیا، مگر مولاناؒ نے نہ کچھ اس پر فخر کیا، نہ دوبارہ بیان شروع فرمایا‘‘۔ (۸)

شیخ الہندؒ: فیضِ قاسمی کا شجرۂ طوبیٰ، خاکساری کا نتیجہ

لِلّٰہیت اور خاکساری کے یہی وہ اوصاف تھے جنہوں نے شیخ الہندؒ کو ترکِ ذات کے مقامِ علیا

تک پہنچادیا تھا، اس لیے کہ خدا کا وعدہ ہے کہ جو تواضع اختیار کرے گا ہم اسے رفعت عطا کریں گے۔ مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے اسی وصف پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ کے نامِ گرامی نامے میں لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے تو تنکے سے کام لیتا ہے اور پہاڑ رہ جاتا ہے۔ حضرت مولانا فخر الحسن صاحبؒ اور مولانا عبدالعدل صاحبؒ، حضرت مولانا نانوتوی قدس سرہٗ العزیز کے شاگردوں میں سب سے زیادہ ذکی حفظ اور ذہن وغیرہ میں اعلیٰ درجہ رکھنے والے تھے۔ مولانا احمد حسن امروہوی رحمۃ اللہ علیہ دوسرے درجے میں تھے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عنایت بھی ان پر سب سے زیادہ تھی۔ ہمارے آقا حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ان سب میں گرے ہوئے شمار کیے جاتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے سے جو کام لیا وہ ان میں سے کسی سے نہیں ہوا اور نہ ہوسکا۔ آج فیض قاسمی عالم میں میزابِ محمودی سے جاری ہے''۔ (۹)

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج وطبیعت میں اخفاء کا بھی غلبہ تھا، اپنے علم وفضل کے اخفاء کے حوالے سے آپ ہو بہو اپنے استاذ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم رنگ وآہنگ تھے۔ مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقولہ بہت ہی معروف ہے کہ:

''اس علم نے خراب کیا، ورنہ اپنی وضع کو ایسا خاک میں ملاتا کہ کوئی بھی نہ جانتا''۔ (۱۰)

یہی فقرہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے متعلق منقول ہے:

''اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں علم سے نہ نوازا ہوتا تو اپنے کو اس قدر مٹاتے کہ محمود نام کا کوئی رہ نہ جاتا''۔ (۱۱)

لیکن اللہ تعالیٰ نے آپؒ کی تواضع کی برکت سے آپؒ کے نام کو رہتی دنیا تک کے لیے علم وفضل سے لے کر حریت اور جہاد تک ہر جگہ نمایاں فرمادیا۔

ذوقِ عبادت اور حسنِ معاشرت: اساسِ بندگی

عبودیت اور بندگی کو دو بنیادی اوصاف: ذوقِ عبادت اور حسنِ معاشرت کے بلیغ عنوانات میں سمویا جاسکتا ہے۔ عبادت' بندگی کا لازمہ اور تخلیق کی وجہ اصل ہے۔ لیکن ضابطے کی عبادت اور ذوقی عبادت میں بہت فرق ہے۔ عبادت کا ذوق اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جس کے لیے عبادت دل کا سکون اور لذت وفرحت کا سامان بن جائے۔ عبادت کے دو بنیادی مظاہر ہیں: تلاوت اور نماز۔ ایسا شخص جسے ذوقِ عبادت حاصل ہو تلاوت اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا ذریعہ بن جاتی ہے اور نماز مخاطبت کا۔ اذکار و اوراد کی کثرت اور اس پر استمرار سے مقام عبودیت کو رسوخ کامل حاصل ہوتا چلا جاتا ہے۔

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ: باجماعت نماز اور نوافل کا غیرمعمولی اہتمام

واقفین حال شہادت دیتے ہیں کہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے لیے ذکر، تلاوت اور نماز طبیعت ثانیہ بن

گئی تھیں ۔عبادت کی خشتِ اول نماز باجماعت کی پابندی ہے جس کی عادت رفتہ رفتہ عبادت بن جاتی ہے۔مولانا عزیز الرحمٰن بجنوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''صلوٰۃ باجماعت کا تو اس قدر اہتمام تھا کہ تکبیر اولیٰ تک فوت نہ ہوتی''۔ (۱۲)

ذوقِ عبادت کا یہ وافر حصہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو زمانۂ طالب العلمی ہی میں عطا ہوا تھا۔ باجماعت نماز کے علاوہ صلوٰۃ اللیل اور دیگر اوراد ووظائف سے متعلق مولانا میاں سید اصغر حسین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا (محمود حسنؒ) ایام طالب علمی ہی سے قیام لیل کے پابند تھے......دن کو تعلیم وتعلّم کا شغل رہتا تھا، رات کو ادائے اَوراد واذکار معمولۂ مشائخ اور تعلیم فرمودۂ حضرت استاذ کا۔شب کو دس گیارہ بجے تک حضرت استاذ (مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ) کی خدمت میں رہتے اور اس کے بعد گاہ گاہ رات کو مطالعہ وسبق دیکھتے۔ ذرا آرام کر کے نوافل اور ذکر اللہ میں مصروف ہوجاتے''۔ (۱۳)

عبادات ومعمولات میں تستّر و اِخفاء کا عالم یہ تھا کہ پوری کوشش فرماتے کہ کسی کو آپ کے معمولات کی خبر نہ ہو۔مولانا عزیز الرحمٰن بجنوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''صلوٰۃ اللیل سے تو گویا آپؒ کو عشق تھا۔ جب دیکھا کہ سب سو چکے ہیں، چپکے سے اُٹھے اور نماز کی نیت باندھ کر کھڑے ہوگئے۔طویل طویل رکوع اور قیام میں پوری پوری رات گزار دیتے، لیکن جہاں کہیں بھی ذرا سی آہٹ محسوس کرتے کہ کوئی جاگ رہا ہے، فوراً ہی لیٹ جاتے، تاکہ دیکھنے والے کو یہ احساس ہوجائے کہ حضرت سو رہے ہیں''۔ (۱۴)

کسی بے تکلف نے ایک مرتبہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے یہ دریافت کرلیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ لوگوں کے جاگ جانے کے خیال سے نماز کیوں توڑ دیتے ہیں؟ فرمایا:

''بھائی! نفلی نماز کو توڑنے کے بعد دوسرے وقت ان کی قضا میرے لیے زیادہ سہل ہے اور بہتر ہے اس سے کہ لوگ میرے بارے میں حسن ظن رکھیں اور واقع میں میں ایسا نہ ہوں''۔ (۱۵)

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ: کثرت عبادت کے باعث پاؤں کے ورم پر خوشی

ایک مرتبہ کثرتِ عبادت کی بنا پر پاؤں ورم کر گئے تو اس پر خوش ہوکر فرمایا:

''آج ایک سنّت -''حتی تورمت قدماہ'' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم ہائے مبارک کثرتِ قیام کی بنا پر ورم کر جاتے تھے''- پر آج اتباع نصیب ہوا''۔ (۱۶)

اتباعِ سنت: مجاہداتِ سلوک کا نقطۂ منتہا ومقصود

اتباعِ سنت تمام تر مجاہدات اور سلوک وعرفان کا پھل ہے۔شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی اتباعِ سنت کا یہ عالم تھا کہ:

''قیام دیوبند کے دوران جمعے کے روز دیوبند سے باہر نہر پر تشریف لے جاتے، کپڑے

دھوتے، پھر غسل فرماتے، یہاں تک کہ کپڑے پھریرے اور پہننے کے قابل ہوجاتے تو پہن کر ایسے وقت چلتے کہ جمعے کی اذان ہونے لگتی اور اذان سنتے ہی ایک دوڑ لگاتے کہ آیت کریمہ: ''إِذَا نُودِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ''..... ''جب نماز جمعہ کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف سعی کرو'' پر عمل ہوسکے''۔ (۱۷)

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ: عبادت اور اطاعت کا مظہر کامل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''رأس الأمر فالإسلام وأما عمودہٗ فالصلٰوۃ وأما ذروۃ سنامہٖ فالجھاد۔''(۱۸)

''اس چیز (دین) کا سر اسلام ہے، اس کا ستون نماز اور اس کے کوہان کی بلندی جہاد ہے۔''

بندگی کی غایت اصلی کے دو بڑے مظاہر ہیں: نماز اور جہاد۔ بندگی کے تشکیلی عناصر کا دائرہ ان ہی دو قوسوں سے مکمل ہوتا ہے۔ یہ دونوں مظاہر ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہی نہیں، عین یک دیگر ہیں اور غایت ان کی ایک ہے: بندگی۔ نماز عبادتِ الٰہی کا مظہر کامل ہے اور جہاد نیابتِ الٰہی کا۔ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں بندگی کے یہ دونوں مظاہر پوری شان سے جلوہ گر تھے۔ جہاد سے وابستگی ہی نے انہیں ''اسیر مالٹا'' بنایا تھا۔ اور نماز جسے متذکرہ حدیث میں عبادت کے استعارے کے طور پر پیش کیا گیا ہے، اس میں انہماک کا عالم یہ تھا کہ فرائض تو فرائض ہی تھے، شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے معمولہ نوافل، اَوراد واذکار اور معمولات کی اس پابندی میں نہ درس و تدریس کی مشغولیت رکاوٹ بنتی تھی نہ ہی تحریک و جہاد کی مصروفیت، حتیٰ کہ ایام اسیری میں بھی شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ معمولات اپنی ترتیب کے مطابق انجام دیتے رہے۔ مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''مولانا عشاء کی نماز کے بعد بہت تھوڑی دیر جاگتے تھے، کچھ اپنے اَوراد پڑھتے تھے اور پھر پیشاب وغیرہ سے فارغ ہوکر وضو فرماتے۔ کبھی کبھی باتیں بھی کرتے تھے اور پھر سو جاتے تھے، کیوں کہ دس بجے کے بعد حکماً روشنیاں بجھادی جاتی تھیں۔ جہاں دس بجے اسی وقت سپاہی آواز دیتا تھا، سب چراغ اور موم بتیاں بجھانی پڑتی تھیں اور پھر تمام شب جلانے کی اجازت نہ تھی۔ جہاں جہاں کمروں میں برقی روشنیاں تھیں وہاں خود ہی بجھ جاتی تھیں۔ البتہ پھر وہ برقی روشنیاں جو کیمپ اور راستوں کی روشنی کے لیے تھیں وہ تمام رات جلا کرتی تھیں، ان کا تار برقی کمروں کی روشنی کے تار سے علاحدہ تھا۔ الغرض دس بجے سے سب لوگ سو جاتے تھے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ تقریباً ایک بجے یا ڈیڑھ بجے شب کو اُٹھتے اور نہایت دبے دبے پیروں سے نکلتے دروازے سے باہر تشریف لاتے، پیشاب سے فارغ ہوکر وضو فرماتے، گرمیوں میں تو گرم پانی کی ضرورت ہوتی ہی نہ تھی، نل کا پانی مناسب ہوتا تھا۔ سردی کے زمانے میں ہم نے یہ خاص اہتمام کیا تھا کہ چولہے پر کھانے کے بعد ایک بہت بڑے ٹین کے

لوٹے میں جو کہ چائے کے لیے گورنمنٹ کی طرف سے ملتا اور اس میں ٹینٹو پیچ دار لگی ہوئی تھی اور اس میں ہمارے معمولی دس بارہ لوٹے پانی آجاتا تھا' پانی خوب گرم کرلیا جاتا تھا اور پھر اسی پاس والے کمرے میں جہاں پر نل لگا ہوا تھا، اس لکڑی کے تخت پر جس پر سب کپڑے دھوتے تھے ایک کمبل میں لپیٹ کر عشاء کے بعد رکھ دیتے تھے۔ یہ پانی صبح تک خوب گرم رہتا تھا، حال آں کہ سردی بہت ہی زیادہ پڑتی تھی، اندھیرے ہی میں جا کر اس میں نماز تہجد ادا فرماتے تھے۔ جب اس سے فارغ ہوجاتے تو پھر چارپائی پر آکر بیٹھ جاتے تھے اور صبح تک مراقبہ اور ذکرِ خفی میں مشغول رہتے تھے اور ہزار دانوں کی تسبیح ہمیشہ سرہانے رکھی رہتی تھی۔ اسمِ ذات کی کوئی مقدار معین کر رکھی تھی، اس کو ہمیشہ بالتزام پورا فرماتے۔ مراقبے کا اس قدر انہماک ہوگیا تھا کہ بعض اوقات میں دو دو تین تین مرتبہ باتیں دھراتے، مگر سمجھتے نہ تھے۔ صبح کی نماز سے پیشتر اکثر پیشاب کرتے اور وضو کی تجدید فرما کر نماز باجماعت ادا فرما کر وہیں مصلیٰ (سجادہ) پر آفتاب کے بلند ہونے تک مراقب رہتے تھے۔ اس کے بعد اشراق کی نماز ادا فرما کر اپنے کمرے میں تشریف لاتے۔ اس وقت مولانا کے لیے اُبلے ہوئے انڈے اور چائے تیار رہتی تھی' وہ پیش کردی جاتی تھی۔ اس کو نوش فرما کر دلائل الخیرات اور قرآن شریف کی تلاوت فرماتے تھے۔ اس سے فارغ ہوکر کچھ ترجمۂ قرآن شریف تحریر فرماتے یا اس پر نظر ثانی کرتے یا اگر خط لکھنے کا دن ہوتا تو خط تحریر فرماتے یا وحید کو سبق پڑھاتے۔ اتنے میں کھانے کا وقت آجاتا، کھانا تناول فرما کر چائے نوش فرماتے تھے۔ اس کے بعد اگر کسی سے ملنے کے لیے وروالہ یا سینٹ کلیمٹ کیمپ یا بلغار کیمپ میں جانا ہوتا تو وہاں کا قصد فرماتے اور کپڑے پہن کر تیار ہوجاتے تھے اور اگر جانے کا قصد نہ ہوتا تو آرام فرماتے اور اگر کوئی ملنے کے لیے دوسرے کیمپ میں سے آتا تو اس سے باتیں کرتے۔ اگر تیز گرمی کا زمانہ ہوتا تھا تب تو وہیں چارپائی پر اور اگر کچھ بھی سردی ہوتی تو صحن میں دھوپ میں قیلولہ فرماتے تھے۔ وہاں پر ہم سب دو تین گدّے ڈال دیتے اور اس پر کمبل اور تکیہ بچھا دیا جاتا تھا اور اگر کسی نے غفلت کی تو خود تکیہ لے جاتے اور ان گدّوں اور کمبل کو بچھا کر آرام فرماتے۔ دو تین گدّے ہم نے زائد اسی واسطے لے رکھے تھے جو کہ ہمیشہ علاحدہ رکھے رہتے تھے اور جب تک وہ حاصل نہ ہوئے تھے تو بعض چارپائیوں کے گدّے اٹھا لیے جاتے تھے۔ تقریباً دو یا ڈیڑھ گھنٹے تک اسی طرح آرام فرماتے تھے۔ پھر قضائے حاجت کے لیے تشریف لے جاتے اور پھر وضو فرمانے کے بعد تلاوتِ قرآن شریف، دلائل الخیرات، حزب الاعظم وغیرہ میں مشغول ہوتے، مگر قرآن شریف بہت زیادہ پڑھتے تھے۔ غالباً روزانہ دس بارہ پارے پڑھتے تھے۔ ظہر کی اذان تک اسی حالت میں رہتے تھے، پھر مسجد میں تشریف لاتے اور نماز سے فارغ ہوکر اگر وحید کا سبق ہوتا تو کبھی اس وقت میں اور کبھی صبح کو اپنے اَوراد سے فارغ ہوکر کھانے کے وقت تک

پڑھاتے تھے، بلکہ اکثر صبح ہی کو پڑھاتے تھے۔ عصر کی نماز کے بعد اکثر مولانا رحمۃ اللہ علیہ ذکرِ خفی لسانی میں مشغول ہوتے تھے، وہ ایک ہزار دانے والی تسبیح چادر یا رومال کے نیچے چھپا کر بیٹھ جاتے اور ذکر کرتے تھے۔ مغرب کے بعد بھی ذکرِ خفی میں مشغول ہوجاتے تھے۔‘‘(۱۹)

حوالہ جات

۱:......ادریس کاندھلویؒ، سیرۃ المصطفیٰ، کراچی: مکتبہ عمر فاروق، ۲۰۱۰ء، جلد:۱، ص:۲۶۳۔

۲:......مسلم بن الحجاج القشیریؒ، الصحیح المسلم، کتاب البر والصلۃ، رقم:۱۲۸۱۔

۳:......عبدالرشید ارشد، بیس بڑے مسلمان، لاہور: مکتبہ رشیدیہ، ۲۰۰۱ء، ص:۲۳۶۔

4:Barbara Metcalf, "The Madrasa at Deoband: A Model for Religious Education in Modern India", Modern Asian Studies, 12, I, [1978], p. 122.

۵:......محمود حسن گنگوہیؒ، ملفوظات فقیہ الامت، لاہور: مکتبہ مدنیہ، ۱۹۹۲ء، جلد:۲، قسط:۷، ص:۹۳۔

۶:......عزیز الرحمٰن بجنوریؒ، تذکرۂ شیخ الہندؒ، [مرتب: ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری]، کراچی: مجلس یادگار شیخ الاسلام، ۲۰۰۷ء، ص:۱۴۳۔

۷:......محمد زکریا سہارن پوریؒ، آپ بیتی، لاہور: مکتبہ الحرمین، [س-ن]، جلد:۲، ص:۶۰۷۔

۸:......اشرف علی تھانویؒ، ’’ذکر محمودؒ‘‘، مشمولہ تذکرہ شیخ الہندؒ، ص:۵۳۰-۵۳۱۔

۹:......حسین احمد مدنیؒ، مکتوبات شیخ الاسلام، کراچی: مجلس یادگار شیخ الاسلام، ۱۹۹۴ء، جلد:۲، ص:۲۰۰-۲۰۱، مکتوب:۶۲۔

۱۰:......محمد یعقوب نانوتویؒ، ’’سوانح عمری مولانا محمد قاسم نانوتوی‘‘، مشمولہ نادر مجموعہ رسائل جناب مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، کراچی: میر محمد کتب خانہ، [س-ن]، ص:۸۔

۱۱:......میاں اصغر حسینؒ، حیات شیخ الہندؒ، لاہور: ادارۂ اسلامیات، ۱۹۷۷ء، ص:۱۶۷۔

۱۲:......عزیز الرحمٰن بجنوریؒ، تذکرۂ شیخ الہندؒ، ص:۱۵۰۔

۱۳:......میاں اصغر حسینؒ، حیات شیخ الہندؒ۔

۱۴:......عزیز الرحمٰن بجنوریؒ، تذکرۂ شیخ الہندؒ، ص:۱۵۰۔

۱۵:......ایضاً، ص:۱۵۱۔

۱۶:......محمود حسن گنگوہیؒ، ملفوظات فقیہ الامت، لاہور: مکتبہ مدنیہ، ۱۹۸۶ء، جلد:۱، ص:۱۰۶۔

۱۷:......ایضاً۔

۱۸:......المستدرک علی الصحیحین، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، کتاب الجھاد، جلد۲، ص:۸۶، رقم:۲۴۰۸۔

۱۹:......عزیز الرحمٰن بجنوریؒ، تذکرۂ شیخ الہندؒ، ص:۱۵۱-۱۵۳۔

(جاری ہے)

خوفِ خدا اور فکرِ آخرت

جناب ارمغان ارمان

سیدی و مرشدی حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے مرشد حضرت شیخ عبد الغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی اثباتِ قیامت کی تقریر کو نظم میں فرمایا تھا، جس کا آخری شعر یہ ہے:

قیامت کا دن منتہائے عمل ہے
جزائے عمل ہے سزائے عمل ہے

ان سادہ الفاظ میں جو جامعیت و نصیحت ہے وہ اظہر من الشّمس ہے، یعنی دل میں خوفِ خدا اور دنیا سے بے رغبتی پیدا کر کے روزِ قیامت کی تیاری کے لیے فکرِ آخرت پیدا کرنا ہے۔ حضور نبی کریم رحمۃ للعالمین فخر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

''آنکھوں کو بھی عبادت کا حصہ دو، یعنی قرآن میں دیکھو اور اس میں غور و تدبر کرو اور اس کے عجائبات سے درسِ عبرت لو''۔ (الصحیح لابن حبان بروایت ابی سعید، کنز العمال اردو مترجم: ۱/۳۲۳، رقم الحدیث: ۲۲۶۲)

امام التابعین حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

''پہلے لوگ قرآن شریف کو اللہ تعالیٰ کا فرمان سمجھتے تھے، رات بھر اس میں غور و تدبر کرتے تھے اور دن کو اس پر عمل کرتے تھے اور تم لوگ اس کے حروف اور زیر و زبر تو بہت درست کرتے ہو، مگر اس کو فرمانِ شاہی نہیں سمجھتے، اس میں غور و تدبر نہیں کرتے۔ (فضائل قرآن مجید، زیر حدیث نمبر: ۱۹)

البتہ خود سے غور و تدبر کرنے کی بجائے علمائے کرام سے اس کا طریقہ پوچھنا چاہیے اور سیکھنا چاہیے، تاکہ خود ساختہ طریقے پر چلنے سے گمراہی میں مبتلا نہ ہو جائے، کیونکہ کلام پاک کے معنی کے لیے جو شرائط و آداب ہیں ان کی رعایت بھی ضروری ہے۔ اور ایک جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

''افسوس اس شخص پر جس نے یہ آیت پڑھی.....-:''إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ''۔ (آل عمران: ۱۹۰) ''بے شک آسمانوں

اور زمین کی پیدائش اور رات و دن کے بدل بدل کر آنے جانے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں'' ....لیکن اس میں کچھ غور وفکر نہ کیا۔'' (کنز العمال اردو مترجم: ۱/۳۵۱، رقم: ۲۵۷۶)

اس آیت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واقعہ بھی منقول ہے، ملاحظہ ہو:

حضرت عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ عجیب بات جو دیکھی ہو، وہ ہمیں بتادیں۔ پہلے تو وہ خاموش ہوگئیں، پھر فرمایا: ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عائشہ! مجھے چھوڑو، آج رات میں اپنے رب کی عبادت کروں۔'' میں نے عرض کیا: اللہ کی قسم! مجھے آپ کا قرب بھی پسند ہے اور جس کام سے آپ کو خوشی ہو وہ بھی پسند ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھے اور وضو کیا، پھر کھڑے ہوکر نماز پڑھنے لگے اور نماز میں روتے رہے اور اتنا روئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود گیلی ہوگئی اور بیٹھ کر اتنا روئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی، پھر سجدہ میں اتنا روئے کہ زمین تر ہوگئی، پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی اطلاع دینے آئے، جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو روتے ہوئے دیکھا تو عرض کیا: یارسول اللہ! آپ رو رہے ہیں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کردیئے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ آج رات مجھ پر ایسی آیت نازل ہوئی ہے کہ جو آدمی اسے پڑھے اور اس میں غور وفکر نہ کرے، اس کے لیے ہلاکت ہے، وہ آیت یہ ہے: ''إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُوْلِي الْأَلْبَابِ''۔ (آل عمران: ۱۹۰)

ترجمہ: ...... ''بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے بنانے میں اور رات و دن کے بدل بدل کر آنے جانے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔'' (اخرجہ ابن حبان فی صحیحہ، کذا فی الترغیب: ۳۳۲ بحوالہ حکایۃ الصحابہ: ۳/۱۵۰، ۱۴۹)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑھاپے کے آثار قبل از وقت کیوں؟

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کے بنیادی مضمون تین ہیں:

۱: ......توحید، ۲: ......رسالت، ۳: ......قیامت۔

قرآن پاک میں کچھ سورتیں ایسی ہیں جن میں قیامت کی ہولناکیاں اور اگلی اقوام کے حالات وغیرہ کا ذکر ہے۔ مختلف احادیث میں ان سورتوں کی نشاندہی فرمائی گئی ہے۔ ان سب روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وغیرہ نے ریش مبارک میں بالوں کی سفیدی دیکھ کر اظہارِ رنج کے ساتھ عرض کیا کہ: یارسول اللہ! آپ بوڑھے ہوگئے؟ سید الانبیاء حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: مجھے سورۂ ہود اور اس کی بہنوں یعنی دوسری چند سورتوں نے

بڑھاپے سے قبل ہی سفید بالوں والا یعنی بوڑھا کر دیا۔ (مستفاد از کنز العمال اردو مترجم)

ان سورتوں میں پچھلی قوموں پر نازل ہونے والے قہر الٰہی، مختلف قسم کے عذابوں، قیامت کے ہولناک واقعات اوران کی منظر کشی، کفار و فجار کی سزا اور مؤمنین ومتقین کی جزاء وغیرہ کا ذکر خاص انداز میں آیا ہے، اس لیے ان واقعات کے خوف ودہشت کی وجہ سے آپ ﷺ پر بڑھاپے کے آثار شروع ہو گئے۔

اسی طرح ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ دولت کدہ سے تشریف لاتے ہوئے داڑھی مبارک پر ہاتھ پھیر رہے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف فرما تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دیکھا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، کس قدر جلدی آپ پر بڑھاپا آ گیا ہے اور یہ کہہ کر رونے لگے اور آنسو جاری ہو رہے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: سورۂ ہود جیسی سورتوں نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔ (شمائل ترمذی مع اردو شرح خصائل نبوی، ص: ۴۳)

سورتوں کے نام

وہ سورتیں جن کا ذکر آپ ﷺ نے مختلف روایات میں فرمایا، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱:...... **هود**، ۲:...... **الواقعة**، ۳:...... **الحاقة**، ۴:...... **المعارج**، ۵:...... **المرسلات**، ۶:...... **النبأ**، ۷:...... **التكوير**، ۸:...... **الغاشية**، ۹:...... **القارعة**. (کنز العمال اردو مترجم، ج:۱، رقم الحدیث: ۲۵۸۶-۲۵۹۲، ۴۰۹۱-۴۰۹۶)

ان سورتوں کے علاوہ بھی اس طرح کی بہت سی سورتیں اور آیتیں ہیں، لیکن چونکہ درج بالا سورتوں میں اس موضوع کا خاص طور پر ذکر ملتا ہے، اس لیے ان کے نام لے کر بتائے گئے۔

ایک ہی رات میں بال سفید ہو گئے (ایک واقعہ)

علامہ زمخشری کہتے ہیں: میں نے ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ ایک شخص شام کے وقت بالکل سیاہ بال جوان تھا، ایک ہی رات میں بالکل سفید ہو گیا۔ لوگوں نے پوچھا، تو اس نے کہا کہ میں نے رات قیامت کا منظر دیکھا ہے کہ لوگ زنجیروں سے کھینچ کر جہنم میں ڈالے جا رہے ہیں، اس کی دہشت مجھ پر کچھ ایسی غالب ہوئی کہ اس نے ایک ہی رات میں مجھے اس حالت پر پہنچا دیا۔ اللہ اکبر! (شمائل ترمذی مع اردو شرح خصائل نبوی: ۴۴،۴۳)

چند مخصوص آیات مبارکہ کا تذکرہ

خوفِ خدا اور فکرِ آخرت پر حضور اقدس ﷺ، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور علماء ومشائخ کے ایسے بے شمار واقعات ہیں کہ ایک ہی آیت کو پڑھتے رہے اور خوف وخشیت سے روتے رہے۔ اپنے موضوع (خوفِ خدا اور فکرِ آخرت) کی مناسبت سے صرف حضور سرورِ عالم ﷺ کے چند واقعات وارشادات پر ہی اکتفا کرتا ہوں، جن میں مخصوص آیاتِ قرآنیہ کا ذکر ہے:

۱:.....رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ’’سب سے زیادہ خوف زدہ کرنے والی آیت: ’’فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْراً یَّرَهٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرّاً یَّرَهٗ‘‘ ہے۔(الزلزال:۸،۷).....’’چنانچہ جس نے ذرہ برابر کوئی اچھائی کی ہوگی وہ اسے دیکھے گا اور جس نے ذرہ برابر کوئی برائی کی ہوگی وہ اُسے دیکھے گا۔‘‘

سب سے زیادہ امید رساں اور دل کو تقویت بخشنے والی آیت: ’’قُلْ یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ أَسْرَفُوْا عَلٰی أَنْفُسِهِمْ لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ‘‘ ہے۔(الزمر:۵۳).....’’کہہ دو کہ: اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کر رکھی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔‘‘ (کنز العمال اردو مترجم:۱/۳۵۰، رقم الحدیث:۲۵۶۰)

۲:.....رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ’’میں تم پر ایک سورت (التکاثر) پڑھتا ہوں، جو اس پر رویا اس کے لیے جنت واجب ہوگئی، پس جس کو رونا نہ آئے وہ رونے کی کوشش کرے۔

(شعب الایمان بروایت عبدالملک بن عمیر، مرسلاً، کنز العمال اردو مترجم:۱/ ۳۶۵، رقم الحدیث:۲۷۱۵)

اس سورت میں دنیا کی زندگی اور مال و دولت کو مقصد بنانے والوں کی مذمت کی گئی ہے، نیز مال کی بے ثباتی، روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے بارے میں سوال ہونے اور جہنم سے ڈرایا گیا ہے۔

۳:.....نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ تمام رات روتے رہے اور صبح تک نماز میں یہ آیت تلاوت فرماتے رہے: ’’إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُکَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّکَ أَنْتَ الْعَزِیْزُالْحَکِیْمُ‘‘ (المائدۃ:۱۱۸) ترجمہ:.....’’اگر آپ ان کو سزا دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کو معاف فرمادیں تو آپ زبردست ہیں، حکمت والے ہیں۔‘‘

یعنی آپ ان کے مالک ہیں اور مالک کو حق ہے کہ بندوں کو ان کے جرائم پر سزا دے، اس لیے آپ اس کے بھی مختار ہیں، قدرت والے ہیں، معافی پر بھی آپ قادر ہیں، اس لیے اس کے بھی آپ مختار ہیں تو آپ کی معافی بھی حکمت کے موافق ہوگی، اس لیے اس میں بھی کوئی قباحت نہیں ہوسکتی، مطلب یہ کہ آپ دونوں حالت میں مختار ہیں، میں کچھ دخل نہیں دیتا۔ (بیان القرآن، زیرآیت ہذا:۱/۲۷۱، وحکایات صحابہؓ:۳۶)

۴:.....حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قاری کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا: ’’إِنَّ لَدَیْنَا أَنْکَالًا وَّجَحِیْمًا ‘‘۔(المزمل:۱۲) ترجمہ:.....’’ہمارے یہاں بیڑیاں ہیں اور دوزخ ہے‘‘۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بے ہوش ہوگئے۔ (حیاۃ الصحابہؓ، ج:۲، ص:۶۸۸)

۵:.....حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ، میں نے عرض کیا: میں آپ کو قرآن پڑھ کر سناؤں؟ حالانکہ قرآن تو خود آپ پر نازل ہوا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا دل چاہتا ہے کہ میں دوسرے سے قرآن سنوں، چنانچہ میں نے سورۂ نساء

پڑھنی شروع کردی اور جب میں ''فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيْداً'' (نساء:۴۱)..... ''پھر (یہ لوگ سوچ رکھیں کہ) اس وقت (ان کا) کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لے کر آئیں گے اور (اے پیغمبر!) ہم تم کو ان لوگوں کے خلاف گواہ کے طور پر پیش کریں گے۔'' پر پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بس کرو! میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں۔ (اخرجہ البخاری، کذا فی البدایۃ: ۶/ ۵۹، بحوالہ حیاۃ الصحابہ رضی اللہ عنہم: ۲/۶۹۲)

فائدہ: تمام انبیائے کرام علیہم السلام قیامت کے روز اپنی اپنی امتوں کے اچھے برے اعمال پر گواہی دیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے لوگوں پر گواہ بنا کر پیش کیا جائے گا۔ (آسان ترجمۂ قرآن: ۱/۲۶۶)

یعنی جن لوگوں نے اللہ کے احکام دنیا میں نہ مانے ہوں گے، ان کے مقدمہ کی پیشی کے وقت بطور سرکاری گواہ کے انبیاء علیہم السلام کے اظہارات سنے جاویں گے، جو جو معاملات انبیاء علیہم السلام کی موجودگی میں پیش آئے تھے سب ظاہر کریں گے، اس شہادت کے بعد ان مخالفین پر جرم ثابت ہو کر سزا دی جاوے گی۔ (بیان القرآن، زیر آیت ہذا: ۱۷۶)

۶:..... شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ ایک صاحب کو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، انہوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ سورۂ ہود نے مجھے بوڑھا کر دیا، کیا بات ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اس میں ایک آیت ہے: ''فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ'' یعنی دین پر ایسے مستقیم رہو جیسا کہ حکم ہے اور ظاہر ہے کہ حکم کے موافق پوری استقامت بہت ہی مشکل امر ہے، اس لیے صوفیاء نے لکھا ہے کہ استقامت ہزار کرامتوں سے افضل ہے۔ (شمائل ترمذی مع اردو شرح خصائل نبوی: ۴۳)

۷:..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ''أَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ''۔ (النجم: ۶۰، ۵۹)..... ''سو کیا (ایسی خوف کی باتیں سن کر بھی) تم لوگ اس کلام (الٰہی) سے تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور (خوفِ عذاب سے) روتے نہیں ہو۔''

تو اصحابِ صفہ رضی اللہ عنہم اتنا روئے کہ آنسو اُن کے رُخساروں پر بہنے لگے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کے رونے کی ہلکی ہلکی آواز سنی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ رو پڑے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رونے کی وجہ سے ہم بھی رو پڑے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ کے ڈر سے روئے گا وہ آگ میں داخل نہیں ہوگا اور جو گناہ پر اصرار کرے گا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا اور اگر تم گناہ نہ کرو (اور استغفار کرنا چھوڑ دو) تو اللہ ایسے لوگوں کو لے آئے گا جو گناہ کریں گے (اور استغفار کریں گے) اور اللہ ان کی مغفرت کریں گے۔

(اخرجہ البیہقی، کذا فی الترغیب: ۵/۱۹۰، بحوالہ حیاۃ الصحابہ رضی اللہ عنہم: ۲/۶۹۳)

☆☆☆

مصافحہ ایک ہاتھ سے یا دو ہاتھ سے؟!

مولانا محمد نعمان

مصافحہ دو ہاتھ سے کرنا مسنون عمل ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے دو ہاتھ سے مصافحہ کیا۔ نیز عقلاً بھی اپنے مسلمان بھائی سے دو ہاتھ سے مصافحہ کرنے میں جس قدر تواضع، انکساری، الفت ومحبت، اور بشاشت کی جو کیفیت پائی جاتی ہے وہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے میں نہیں ہے۔ امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے ''صحیح بخاری'' میں دو باب قائم کیے: ا:.....باب المصافحة، ۲:...... باب الأخذ باليدين المصافحة۔

اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ بتلایا کہ مصافحہ کرنا سنت عمل ہے، اس کے لیے آپ نے چار دلیلیں نقل کیں:

ا:.....حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تشہد سکھایا اس حالت میں کہ میرا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ہاتھوں کے درمیان تھا:

''وَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رضي الله عنه: عَلَّمَنِيْ النَّبِيُّ صَلّٰى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّشَهُّدَ، وَكَفِّي بَيْنَ كَفَّيْهِ۔''(۱)

۲:.....حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجدِ نبوی میں آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے مجھ سے مصافحہ کیا اور مجھے مبارک باد دی:

''قَالَ كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ: حَتّٰى دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ، فَإِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلّٰى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ حَوْلَهُ النَّاسُ، فَقَامَ إِلَيَّ طَلْحَةُ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ يُهَرْوِلُ حَتّٰى صَافَحَنِيْ وَهَنَّأَنِيْ۔''(۲)

۳:.....حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں مصافحہ کا رواج تھا؟ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی ہاں! ضرور تھا:

''عَنْ قَتَادَةَ رحمه الله قَالَ: قُلْتُ لِأَنَسٍ رضي الله عنه: أَكَانَتِ الْمُصَافَحَةُ فِيْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: نَعَمْ۔''(۳)

۴:.....عبد اللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا:

’’كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ أٰخِذٌ بِيَدِ عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ۔‘‘(۴)

ان چاروں دلیلوں سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مصافحہ کرنا مسنون عمل ہے۔ نیز امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ’’الأدب المفرد ‘‘میں بھی باب قائم کیا ہے: ’’باب المصافحة‘‘ اور اس کے تحت دو احادیث نقل کی ہیں۔

علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کے نزدیک مصافحہ کرنا بہترین عمل ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا سنت ہے، اور اس پر (اہلِ علم) کا اجماع ہے:

’’قَالَ ابنُ بَطَّالٍ الْمُصَافَحَةُ حَسَنَةٌ عِنْدَ عَامَّةِ الْعُلَمَاءِ....وَقَالَ النَّوَوِيُّ: الْمُصَافَحَةُ سُنَّةٌ مُجْمَعٌ عَلَيْهَا عِنْدَ التَّلَاقِيْ۔‘‘(۵)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بعد دوسرا باب قائم کیا ہے: ’’باب الأخذ باليدين ‘‘اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مصافحہ کا طریقہ بتلایا کہ مصافحہ دو ہاتھوں کے ساتھ ہونا چاہیے، اس کے لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بطورِ دلیل دو کبار محدثین کا عمل پیش کیا کہ وہ دو ہاتھ سے مصافحہ کرتے تھے:

’’وَصَافَحَ حَمَّادُبْنُ زَيْدٍ،ابْنَ الْمُبَارَكِ بِيَدَيْهِ۔‘‘

’’حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے دو ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔‘‘

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو کہ امام حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے دو ہاتھوں سے مصافحہ کیا، اپنی معروف کتاب ’’التاريخ الكبير ‘‘میں اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ کے ترجمہ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:

’’إِسْمَاعِيل بن إِبْرَاهِيم بن الْمُغِيرة الجُعفي،أَبو الْحَسَن رأى حماد بْن زيد صافح ابْن المبارك بكلتا يديه۔‘‘(۶)

نیز اس بات کو فن رجال اور حدیث کے دو مشہور ائمہ علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۷۴۸ھ) اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۸۵۲ھ) نے بغیر کسی نکیر کے نقل کیا ہے: دیکھئے تفصیلاً: سیر أعلام النبلاء، ترجمۃ: أبوعبداللہ البخاری محمد بن اسماعیل، ج: ۲۱، ص: ۲۹۳۔ تہذیب التہذیب: حرف الألف، ترجمۃ: اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرۃ، ج:۱ص:۴۷۲۔

دو ہاتھ سے مصافحہ کرنے والے امام حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ کا مقام محدثین کی نظر میں کس قدر کا ہے، اس کا اندازہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے القابات اور محدثین کے ان کے متعلق اقوال سے لگائیں، چنانچہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ان کے ترجمے کا آغاز ان القابات کے ساتھ کرتے ہیں:

’’العَلَّامَةُ،الحَافِظُ،الثَّبْتُ،مُحَدِّثُ الْوَقْتِ، أَحَدُ الْأَعْلَامِ۔‘‘

امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: لوگوں کے امام اپنے اپنے زمانے میں چار حضرات تھے، کوفہ کے امام سفیان ثوریؒ، حجاز کے امام مالکؒ، شام کے امام اوزاعیؒ، بصرہ کے امام حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہم:

’’قَالَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيّ: أَئِمَّةُالنَّاسِ فِيْ زَمَانِهِمْ أَرْبَعَةٌ : سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ بِالْكُوْفَةِ ، وَمَالِكٌ بِالْحِجَازِ، وَالْأَوْزَاعِيُّ بِالشَّامِ ، وَحَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ بِالْبَصْرَةِ ۔‘‘

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ مسلمانوں کے ائمہ میں سے ہیں:

’’وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ: حَمَّادُبْنُ زَيْدٍ مِنْ أَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ۔‘‘

امام احمد بن عبداللہ عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: امام حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ ثقہ ہیں اور انہیں چار ہزار احادیث حفظ تھیں، اور ان کے پاس کوئی کتاب نہیں تھی، (یعنی ایسے حافظ الحدیث تھے کہ بغیر کتاب کے احادیث کا اپنے حافظے سے زبانی املاء کرواتے تھے):

’’وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ الْعِجْلِيُّ : حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ثِقَةٌ ، وَحَدِيْثُهٗ أَرْبَعَةُ آلَافِ حَدِيْثٍ، كَانَ يَحْفَظُهَا، وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ كِتَابٌ۔‘‘

ان کے متعلق مزید کبار محدثین کے توصیفی وتوثیقی اقوال کے لیے تفصیلاً دیکھیں: سیر اعلام النبلاء، ترجمۃ حماد بن زید بن درھم، ج:۷، ص:۴۵۶-۴۵۷۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس اثر کے بعد یہ حدیث نقل کی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد اس حالت میں سکھایا کہ میرا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ہاتھوں کے درمیان تھا:

’’عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَفِّي بَيْنَ كَفَّيْهِ التَّشَهُّدَ۔‘‘

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ’’باب الأخذ باليدين ‘‘ کے تحت اس حدیث کو نقل کرکے یہ بتلانا چاہ رہے ہیں کہ مصافحہ دو ہاتھوں سے ہوگا، جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دو ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔ اس حدیث میں قابلِ غور جملہ ’’كفي بين كفيه ‘‘ میرا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ہاتھوں کے درمیان تھا، معلوم ہوا کہ سنتِ نبویہ دو ہاتھوں سے مُصافحہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک ہاتھ کا ذکر اس وجہ سے کیا کہ یہ ہاتھ اس قدر خوش قسمت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ہاتھوں کے درمیان تھا۔ بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ نبی دو ہاتھوں سے مصافحہ کرے اور صحابی ایک ہاتھ سے؟

یہاں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنی خصوصیت اور قابلِ فخر اعزاز کو بیان کررہے ہیں، یہ مطلب نہیں ہے کہ انہوں نے دوسرے ہاتھ سے مصافحہ نہیں کیا۔

امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے دو ہاتھ سے مصافحہ کرنے کے بارے میں صریح ہے، باقی رہی بات حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی کہ انہوں نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا، تو یہاں راوی نے ایک ہاتھ کے ذکر پر اکتفاء کیا، ورنہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کریں، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دو بابرکت ہاتھوں کے ساتھ انہیں مصافحہ کریں، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ بہت باب بہت ہی مُستبعد ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہاں راوی نے ایک ہاتھ کے ذکر پر اکتفاء کیا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ راویوں کا تعبیرات میں

بڑا اختلاف ہوتا ہے، پس وہ مختلف اعتبارات سے تعبیرات پیش کرتے ہیں، بعض ایسے ہیں جو مجمل کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں، اور بعض ایسے ہیں جو مفصل شئے کو اجمال کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ (۷)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''الأدب المفرد'' میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن رزینؒ فرماتے ہیں کہ ہم ربذہ نامی مقام کے پاس سے گزرے، ہمیں یہ بتلایا گیا کہ یہاں صحابی رسول حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ ہیں، میں ان کی خدمت میں گیا اور انہیں سلام کیا، تو انہوں نے (سلام کا جواب دیا اور) دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا، اور فرمایا: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت (بھی اس طرح) دونوں ہاتھوں سے کی تھی:

''عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ رَزِیْنٍ قَالَ : مَرَرْنَابِالرَّبَذَةِ فَقِیْلَ لَنَا : هَاهُنَا سَلَمَةُ بْنُ الْأَکْوَعِ فَأَتَیْتُهٗ فَسَلَّمْنَا عَلَیْهِ فَأَخْرَجَ یَدَیْهِ فَقَالَ : بَایَعْتُ بِهَاتَیْنِ نَبِیَّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔'' (۸)

اس حدیث میں ہے کہ صحابی رسولؐ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے دونوں ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ کیا، پھر فرمایا: میں نے انہی دونوں ہاتھوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ خلاصہ یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔ اسی طرح صحابی رسول حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے بھی دو ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔ کبار محدث امام حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دو ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی اولیٰ اور بہتر یہی ہے کہ دو ہاتھوں سے مصافحہ ہو، اس لیے آپ نے اس پر مستقل باب بھی قائم کیا اور اس سے متعلق روایات وآثار اپنی تینوں کتابوں: صحیح البخاری، الأدب المفرد، التاریخ الکبیر میں نقل کیے، جیسا کہ ماقبل میں کئی حوالہ جات گزر چکے ہیں۔

حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''عَنْ أَبِیْ أُمَامَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : إِذَا تَصَافَحَ الْمُسْلِمَانِ لَمْ تَفَرُّقْ أَکُفُّهُمَا حَتّٰی یُغْفَرَ لَهُمَا۔'' (۹)

''جب دو مسلمان مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے ہاتھوں کے جدا ہونے سے پہلے ان کے گناہوں کی مغفرت کردی جاتی ہے۔''

فائدہ: اس حدیث کے متعلق علامہ ناصرالدین البانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب (**صحیح الجامع الصغیر وزیادته**، ج:۱، ص:۱۳۱۷، رقم الحدیث:۳۳۴) میں فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے۔

اس حدیث میں لفظ ''أَکُفُّهُمَا'' جمع استعمال ہوا ہے، لفظ ''أَکُفُّ''... ''کف'' کی جمع ہے۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے ہاتھوں کے جدا ہونے سے پہلے ان کی مغفرت کردی جاتی ہے، تو یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ مصافحہ دو ہاتھ سے ہونا چاہیے، اس لیے کہ اگر ایک ہاتھ سے مصافحہ ہوتا تو حدیث میں جمع کا لفظ استعمال نہ ہوتا، بلکہ تثنیہ کا ہوتا کہ ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ سے ملایا جائے، اس کے لیے ''کَفَّاهُمَا'' صیغہ تثنیہ ہونا چاہیے تھا، نہ کہ جمع۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَامِنْ مُسْلِمَيْنِ الْتَقَيَا، فَأَخَذَ أَحَدُهُمَا بِيَدِ صَاحِبِهٖ، إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يَحْضُرَ دُعَاءَهُمَا، وَلَا يُفَرِّقَ بَيْنَ أَيْدِيهِمَا حَتّٰى يَغْفِرَ لَهُمَا۔''(۱۰)

''جب دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں اور ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہو جاتا ہے کہ ان کی دُعاؤں کو سُنے اور ان دونوں کے ہاتھوں کے جدا ہونے سے پہلے (اللہ تعالیٰ ان کی) مغفرت فرما دیتے ہیں۔

اس حدیث میں یہ جملہ ''لَا يُفَرِّقَ بَيْنَ أَيْدِيهِمَا'' ان دونوں کے ہاتھوں کے جدا ہونے سے پہلے ان کی مغفرت کردی جاتی ہے، اس حدیث میں ''أَيْدِيهِمَا'' جمع استعمال ہوا ہے، اگر مصافحہ صرف ایک ہاتھ سے ہوتا تو یہاں تثنیہ ''يَدَيْهِمَا'' استعمال ہوتا ہے، حالانکہ یہاں جمع ذکر ہوا ہے۔

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ''مسند أبي يعلى'' میں ان الفاظ کے ساتھ ہے:

''عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَامِنْ مُسْلِمَيْنِ الْتَقَيَا فَأَخَذَ أَحَدُهُمَا بِيَدِ صَاحِبِهٖ إِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُجِيبَ دُعَاءَهُمَا وَلَا يَرُدَّ أَيْدِيَهُمَا حَتّٰى يَغْفِرَ لَهُمَا۔''(۱۱)

اس حدیث میں بھی ''أَيْدِيهُمَا'' جمع استعمال ہوا ہے۔

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۵۴۴ھ) فرماتے ہیں کہ سلام اور ملاقات کے وقت مصافحہ دونوں ہاتھوں کے ساتھ ہوگا:

''اَلْمُصَافَحَةُ بِالْأَيْدِيْ عِنْدَ السَّلَامِ وَاللِّقَاءِ۔''(۱۲)

نیز ائمہ فقہ کی تصریحات بھی اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مصافحہ دو ہاتھوں کے ساتھ سنت ہے، چنانچہ علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''السُّنَّةُ فِي الْمُصَافَحَةِ بِكِلْتَا يَدَيْهِ۔''

مصافحہ میں سنت یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کے ساتھ ہو۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ملاقات کے وقت سلام کے بعد بغیر کسی حائل کے چاہے وہ کپڑا ہو یا اس کے علاوہ ہو، دونوں ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ کرنا سنت ہے:

''وَالسُّنَّةُ أَنْ تَكُوْنَ بِكِلْتَا يَدَيْهِ، وَبِغَيْرِ حَائِلٍ مِنْ ثَوْبٍ أَوْ غَيْرِهٖ وَعِنْدَ اللِّقَاءِ بَعْدَ السَّلَامِ۔''(۱۳)

نیز ''مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر'' میں بھی دو ہاتھوں کی صراحت ہے:

''وَالسُّنَّةُ فِي الْمُصَافَحَةِ بِكِلْتَا يَدَيْهِ۔''(۱۴)

فائدہ: ہر زبان میں واحد کا صیغہ دو طرح سے استعمال ہوتا ہے: ۱:...بطور مفرد یعنی اس سے ایک ہی مراد ہو۔ ۲:...بطورِ جنس اس وقت صیغہ واحد کا ہوتا ہے، لیکن اس سے متعدد افراد مراد ہوتے ہیں۔

www.banuri.edu.pk

قرآنِ کریم میں ہے:

''وَلَاتَجۡعَلۡ يَدَکَ مَغۡلُوۡلَةً إِلٰى عُنُقِکَ''۔ (۱۵)

اس آیت میں لفظ ''ید'' اسمِ جنس استعمال ہوا ہے۔

اس طرح احادیثِ مبارکہ میں بھی کئی ایک اس کی مثالیں موجود ہیں، مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ۔'' (۱۶)

''مسلمان وہ ہے جس کے زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔''

اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مَنْ رَأٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ۔'' (۱۷)

''جو تم میں سے برائی کو دیکھے پس وہ اس کو اپنے ہاتھ سے مٹائے۔''

ان دونوں احادیث میں لفظ ''یـــد'' مفرد استعمال ہوا ہے، لیکن یہاں یہ قطعاً مراد نہیں ہے کہ مسلمان کے ایک ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں، اور دوسرے ہاتھ سے نہ ہوں۔ اسی طرح کسی برائی کو دیکھو تو اُس کا سدِّ باب صرف ایک ہاتھ سے کرو دوسرے ہاتھ سے نہ کرو۔ ان احادیث سے صرف ایک ہاتھ کا معنی امت میں کسی نے مراد نہیں لیا، بلکہ محدثین یہی فرماتے ہیں کہ یہاں لفظِ ''یـــد'' اسمِ جنس ہے، تو اسی طرح وہ احادیث جو مصافحہ سے متعلق ہیں اور وہاں لفظِ ''یـــــد'' استعمال ہوا ہے تو وہ بھی اسمِ جنس کے لیے ہے۔ اسی طرح ماقبل میں حدیث گزری ہے کہ مصافحہ کرنے سے گناہ جھڑتے ہیں، تو کیا صرف ایک ہاتھ سے گناہ جھڑتے ہیں؟ دوسرے ہاتھ کے گناہ نہیں جھڑتے؟ ''أَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَّ فِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا وَّفِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا۔'' (۱۸) ''اے اللہ! میرے دل میں نور پیدا فرما اور میری آنکھوں میں نور پیدا فرما اور میرے کانوں میں نور پیدا فرما۔''

اس حدیث میں صیغے مفرد کے ہیں، لیکن یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اے اللہ! میری صرف ایک آنکھ اور ایک کان میں نور پیدا فرما اور دوسرے کان اور آنکھ میں نہ فرما، بلکہ یہ اسمِ جنس کے معنی میں ہے۔

اگر بالفرض ''ید'' سے اسمِ جنس والا معنی مراد نہ لیں، بلکہ ایک ہاتھ مراد لیں، تو لغتِ عرب میں ''یــــد'' کا اطلاق انگلیوں سے لے کر کندھوں تک ہوتا ہے، تو کیا اگر دو آدمی بوقتِ سلام دونوں بائیں کہنیاں یا دونوں بائیں کندھے یا دائیں ہاتھ کی کہنیاں یا کندھے ملائیں تو کیا مصافحہ والی احادیث پر عمل ہو جائے گا یا نہیں؟ کیوں کہ بایاں ہاتھ بھی تو ''ید'' ہی ہے، پاؤں تو نہیں۔ نیز اگر ''ید'' سے ایک ہاتھ بھی مراد ہو تو دو ہاتھ سے مصافحہ کی صورت میں تمام روایات پر عمل ہو جائے گا، جس طرح تین دفعہ اعضاء کو دھونے سے ایک، دو اور تین مرتبہ دھونے والی تمام احادیث پر عمل ہو جائے گا۔

باقی رہی یہ بات کہ لغت کی کتابوں میں مصافحہ کی تعریف ''**إلصاق صفحة الکف بالکف**''..... ''ایک ہتھیلی کو دوسری ہتھیلی کے ساتھ ملانا'' سے کی گئی ہے۔ لغت کی ان تعریفات سے بھی ایک ہاتھ

سے مصافحہ ثابت نہیں ہوتا، اس لیے کہ یہ تعریف تو بائیں ہاتھ پر بھی صادق آ رہی ہے، لہٰذا اگر دو آدمی بائیں ہتھیلیوں کے ساتھ مصافحہ کریں تو لغۃً یہ تعریف ان پر بھی صادق آ رہی ہے کہ ہتھیلی کو ہتھیلی کے ساتھ ملا رہے ہیں، حالانکہ امت میں کوئی بھی اس مصافحہ کا قائل نہیں ہے۔ نیز اگر کوئی لفظ معنی شرعی اور لغوی کے درمیان دائر ہو جائے تو اس وقت معنی شرعی کا لحاظ رکھا جائے گا، نہ کہ معنی لغوی کا، جیسے صلوٰۃ کا معنی لغوی دُعا ہے، صوم کا معنی رکنا ہے، حج کا معنی قصد وارادہ کرنا ہے تو اب ان الفاظِ شرع سے ان کے معانی شرعیہ مراد ہوں گے نہ کہ معانیِ لغویہ، اگر لغوی معنی کا ہر جگہ لحاظ رکھا جائے اور وہی مراد لیا جائے تو شریعت کا نقشہ بدل جائے گا۔

’’یَدُوْرُ اللَّفْظُ بَیْنَ مَعْنَیَیْنِ ھُوَ فِیْ أَحَدِھِمَا حَقِیقَۃٌ لُغَوِیَّۃٌ وَفِیْ الْأٰخَرِ حَقِیْقَۃٌ شَرْعِیَّۃٌ فَالشَّرْعِیَّۃُ أَوْلٰی۔‘‘(۱۹)

’’أَلْفَاظُ الشَّارِعِ مَحْمُوْلَۃٌ عَلٰی عُرْفِہٖ لِأَنَّہُ الْمُحْتَاجُ إِلَیْہِ فِیْہِ لِکَوْنِہٖ بُعِثَ لِبَیَانِ الشَّرْعِیَّاتِ لَالِبَیَانِ مَوْضُوْعَاتِ اللُّغَۃِ۔‘‘(۲۰)

بہر حال اب تک کوئی ایسی صحیح اور صریح روایت بندے کے سامنے نہیں آئی جس میں آپ ﷺ نے صرف دائیں ہاتھ سے مصافحہ کا حکم دیا ہو، یا آپ ﷺ نے خود عملاً دائیں ہاتھ سے مصافحہ کیا اور بائیں ہاتھ کو دور رکھا ہو ہاتھ نہ لگایا ہو، نہ ہی آپ ﷺ کے سامنے کسی نے اس طرح کیا ہے، نہ ہی ’’یــد‘‘ کے ساتھ ’’واحدۃ‘‘ کی قید کسی حدیث میں ہے، لہٰذا بندے کے نزدیک احادیث وآثار اور عقل کی روشنی میں دو ہاتھ سے مصافحہ کرنا مسنون اور بہتر عمل ہے، واللّٰہ أعلم بالصواب ۔

حوالہ جات

۱:......صحیح بخاری: کتاب الاستئذان، باب المصافحۃ، ج:۸،ص:۹۵

۲:......ایضاً

۳:......ایضاً

۴:......ایضاً

۵:......فتح الباری: کتاب الاستئذان، باب المصافحۃ، ج:۱۱،ص:۵۵

۶:......التاریخ الکبیر: ج:۱،ص:۲۴۳،رقم:۴۸۰۱

۷:......فیض الباری: کتاب الاستئذان، باب المصافحۃ، ج:۶،ص:۴۰۲

۸:......الأدب المفرد: باب تقبیل الید،ص:۲۴۵

۹:......المعجم الکبیر للطبرانی: باب الصاد، ج:۸،رقم الحدیث:۶۷۰۸

۱۰:......مسند احمد: مسند أنس بن مالک،رقم الحدیث:۱۵۴۲۱۔

۱۱:......مسند أبی یعلی: مسند أنس بن مالک، ج:۷،ص:۵۶۱،رقم الحدیث:۹۳۱۴

۱۲:......مشارق الأنوار علی صحاح الآثار: حرف الصاد، مادۃ: (ص ف ح) ج:۲،ص:۹۴

۱۳:......ردالمحتار: کتاب الحظر والاباحۃ، باب الاستبراء، ج:۶،ص:۲۸۳

۱۴:......مجمع الانھر : کتاب الکراھیۃ، باب أحکام النظر، ج:۲،ص:۱۴۵

۱۵:......الاسراء:۹۲

۱۶:......صحیح بخاری: کتاب الایمان، باب: المسلم من سلم المسلمون الخ، ج:۱،ص:۱۱

۱۷:......صحیح مسلم: کتاب الایمان، ج:۱،ص:۹۶،رقم الحدیث:۹۴

۱۸:......صحیح بخاری: کتاب الدعوات، ج:۸،ص:۹۶،رقم الحدیث:۶۱۳۶

۱۹:......البرھان فی علوم القرآن: النوع الحادی والأربعون، ج:۲،ص:۱۶۷

۲۰:......فتح الباری: کتاب الاذان، ج:۲،ص:۳۲۷

کالا خضاب لگانے کا حکم

ادارہ

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ:

۱- کالا خضاب لگانے والے کا کیا حکم ہے؟

۲- کالا خضاب لگانے والے کے پیچھے اگر نماز پڑھ لی گئی تو نماز کا کیا حکم ہے؟

۳- مختلف قسم کے رنگ جو سر اور داڑھی کے بالوں کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں، ان کا کیا حکم ہے؟

براہِ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔ مستفتی: محمد اسحاق، کراچی

الجواب باسمہٖ تعالیٰ

۱:...... عمومی حالات میں کالا خضاب لگانا مکروہِ تحریمی ہے۔ مشکوۃ شریف میں ہے:

’’**عن ابن عباسؓ عن النبی ﷺ قال: یکون قوم فی آخر الزمان یخضبون بھذا السواد کحواصل الحمام لایجدون رائحۃ الجنۃ**‘‘۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی، ص:۳۸۲، ط: قدیمی)

ترجمہ:...... ’’حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آخر زمانہ میں ایک ایسی قوم ہوگی جو بالکل کالے رنگ سے خضاب لگائیں گے، جیسا کہ کبوتر کا سینہ ہوتا ہے اور وہ جنت کی خوشبو کو نہیں سونگھ سکیں گی۔‘‘

بذل المجہود میں ہے:

’’**وفی الحدیث تھدید شدید فی خضاب الشعر بالسواد وھو مکروہ کراھیۃ تحریم....**۔‘‘ (۸۶/۶)

۲:...... سیاہ خضاب لگانے والے کی اقتداء میں جو نمازیں ادا کی گئیں وہ کراہت کے ساتھ ادا ہوگئیں، اعادے کی ضرورت نہیں۔

۳:...... داڑھی اور سر کے سفید بالوں کو سیاہ رنگ کے علاوہ دیگر رنگوں سے رنگنا پسندیدہ عمل ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

’’**عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: مر علی النبی ﷺ رجلٌ قد خضب بالحناء، فقال: ما أحسن ھذا! قال: فمر آخر قد خضب بالحناء والکتم، فقال: ھذا أحسن من ھذا، ثم مر آخر قد خضب بالصفرۃ، فقال: ھذا أحسن من ھذا کلہ۔ ...... عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: غیروا الشیب ولاتشبھوا بالیھود**‘‘۔ (مشکوۃ، ص:۳۸۲، ط: قدیمی)

الجواب صحیح | الجواب صحیح | کتبہٗ
محمد عبدالمجید دین پوریؒ | محمد شفیق عارف | عبدالحمید

دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

نقد و نظر

ادارہ

تجلیاتِ غورغشتوی

مفتی محمد قاسم بجلی گھر۔ صفحات: ۳۹۳۔ قیمت: ۵۰۰ روپے۔ ناشر اور ملنے کا پتہ: مدرسہ فاروقیہ لالہ زار کالونی، علاقہ مولانا بجلی گھر، لنڈی ارباب، پشاور۔

زیرِ تبصرہ کتاب شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتوی قدس اللہ سرہٗ خلیفہ مجاز حضرت مولانا سید حسین علی نقشبندی نور اللہ مرقدہٗ کے تعارف وحالات پر مشتمل ہے، جسے بڑی عرق ریزی اور بارہ سال مسلسل جہد وکوشش اور اَنتھک محنت کے بعد صاحب مؤلف حضرت مولانا مفتی محمد قاسم صاحب منصۂ شہود پر لانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

کتاب میں حضرت غورغشتوی رحمۃ اللہ علیہ کی مکمل سوانح حیات، تعارف، مشائخ واساتذہ کے کشف وکرامات کے واقعات، کمالات وامتیازات، ترویج علوم اور خدمت علم حدیث کے ساتھ ساتھ قصبہ غورغشت کی تاریخی حیثیت پر سیر حاصل تبصرہ موجود ہے۔

کتاب اس لائق ہے کہ ایک بار ضرور اس کا مطالعہ کیا جائے۔

صلاۃ وسلام کی خوشبوئیں اور ثمرات

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر قدس سرہٗ کے خادم ومرید۔ صفحات: ۴۰۰۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: جامعہ اشرف المدارس کراچی۔ ملنے کا پتہ: کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال نمبر: ۲، کراچی، پوسٹ کوڈ: ۷۵۳۰۰۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا حکم قرآن کریم اور سنت نبویہ میں آیا ہے، اس کے فضائل اور اجر وثواب پر کثیر احادیث وارد ہوئی ہیں۔ ایک بار درود شریف بھیجنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے

دس رحمتیں نازل ہوتی ہیں، دس گناہ معاف ہوتے ہیں، دس درجے بلند ہوتے ہیں، کثرت سے درود شریف پڑھنے والوں کوآخرت میں حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب حاصل ہوگا۔

درودشریف کے ان عظیم الشان فضائل کے پیش نظر جناب فرقان احمد شمسی صاحب نے مختلف کتب کوسامنے رکھ کر یہ مجموعہ تیار کیا ہے۔اس کتاب میں حمد، نعت، مناجات، درودشریف کے فضائل پر مشتمل احادیث، درودشریف کے فضائل وخواص، وہ درودشریف جونبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں، اسی طرح وہ درودشریف جوصحابہ کرام رضی اللہ عنہم وتابعین عظام سے اوردوسرے مشائخ سے منقول ہیں۔

بہرحال یہ کتاب ایک عمدہ سوغات ہے جومکمل آرٹ پیپراورمختلف رنگوں میں چھاپی گئی ہے۔جلدبھی بہت اعلیٰ ہے۔کمپوزنگ اورطباعت بھی عمدہ معیارپرہے۔اللہ تعالیٰ جناب مرتب کی اس کاوش کوقبول فرمائیں۔

www.banuri.edu.pk